تذکرہ ریختی

مرتبہ

تمکین کاظمی

تذکرہ ریختی

مرتبہ

مولوی سید تمکین کاظمی، منشی فاضل ایم آر اے ایس

۱۹۳۰ء
۱۳۴۸ھ

(باہتمام)

سید رشید کاظمی

مطبوعہ
شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

طبع اوّل (۵۰۰) جلد

قیمت:- ایک روپیہ ...... (عہ)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی حیدرآباد دکن

الف

تقریب

پہلے پہل جب میں نے جانؔ صاحب کا دیوان دیکھا تو ریختی سے دلچسپی ہونے لگی مگر مشکل یہ تھی کہ اکثر اشعار میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ بعض محاوروں کے لئے "لغات النسا" سے لیکر "لغات الخواتین" تک کی ورق گردانی کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا، میں دکن میں پیدا ہوا یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ دلّی اور لکھنؤ کے زنانی محاورات بھلا کیا سمجھ میں آتے مجبوراً ان الفاظ اور محاورات اور اشعار کی ایک فہرست بنائی جو میری دانست میں حل طلب تھے اور لگا پوچھتے پھرتے مگر جو الفاظ "لغات النساء" کے لئے سیّد احمد دہلوی کو اور "لغات الخواتین" کے لئے اثہری کو نہ معلوم ہو سکے ہوں وہ بھلا مجھے کیا معلوم ہوتے مگر میں نے ہمّت نہیں ہاری اور لگا تار کوشش کے بعد نہ صرف ان الفاظ محاورات اور اشعار کو حل کر لیا بلکہ "زنانی محاورات" کا اتنا ذخیرہ جمع کر لیا جو "لغات النسا" سے تقریباً دگنا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے یہ محاورے کیسے معلوم ہوئے اور کیسے حل کئے میں نہیں ظاہر کر سکتا سمجھ لیجئے کہ رنگین کی طرح میں نے بھی کچھ "تماش بینی" کی اور بس!

اسی سلسلہ میں میں نے جان صاحب کے علاوہ رنگین۔ انشا۔ نازنین وغیرہ کے کلام کا مطالعہ بھی کیا اور ان میں سے بھی اصطلاحات چن لیے چونکہ مدت تک ریختی کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے مجھے ریختی سے دلچسپی ہو گئی تھی اس لیے میں نے پیش نظر تذکروں، رسالوں وغیرہ سے ریختی کلام اور شاعروں کے حالات بھی جمع کر لیے خیال تو یہ تھا کہ ایک مستقل لغت اصطلاحات نسوان کے متعلق شائع کر دوں مگر مولوی عبدالحق صاحب مہتمم مکتبۂ ابراہیمیہ نے مشورہ دیا کہ فی الحال اسی مواد کو مرتب کر کے ایک تذکرہ ریختی کہنے والوں کا شائع کر دو لغت پھر کبھی ترتیب دے لینا بات معقول تھی میری سمجھ میں آگئی اور میں نے منتشر مواد کو مرتب کرنا شروع کیا، اور پھر از سر نو تذکروں کی ورق گردانی کر کے حالات وغیرہ کی تصحیح کی تقریباً دیڑھ سو مختلف تذکرے اور کتابیں دیکھیں جہاں جہاں سے مواد ملا لے لیا ورنہ خاموشی سے کتاب رکھ دی، اس طرح دو ہی تین ہفتوں میں تذکرہ مرتب ہو گیا اور کاتب کے حوالے بھی کر دیا، مولوی عبدالحق نے پھر پھڑکایا کہ اس تذکرے کے لیے ایک مقدمہ بھی لکھ دو تو اور اچھی چیز ہو جائیگی، میں نے کہا چلو یہ بھی سہی مگر مقدمہ لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ ابتداً کچھ نمونیا اور پھر تھوڑا سا ملیریا میرے ساتھ ہو گیا کاتب نے تذکرے کی کتابت ختم کر کے مقدمے کے مسودے کا مطالبہ کیا مجبوراً اسی عالم بخار میں مقدمہ لکھا ابھی وہ ختم نہ ہوا تھا کہ اتفاقاً اس مسودے کو نواب نصیر الدین خاں بہادر ایم اے نے ملاحظہ فرمایا اور بعض خاص خاص باتوں کو پھیلانے اور ان کے متعلق بحث کرنے کا مشورہ بھی دیا میں نے اسی حالت میں اُن باتوں کو بھی لے لیا

اور جوں توں ہو سکا مقدمہ ختم کرکے کاتب کے حوالے کر دیا۔ یہ ہے اس تذکرے کی شانِ نزول، مقدمہ کے متعلق چونکہ نواب صاحب موصوف نے کئی بار تبادلۂ خیال فرمایا اور باوجود مصروفیت کے اپنے قیمتی وقت کے کئی گھنٹے ضائع فرمائے اس لئے میں نواب صاحب کا بے انتہا رہینِ منت ہوں۔

چونکہ اس تذکرے کو شائع کرنے کی تحریک عبدالحق صاحب نے کی ہے اس لئے اگر علم بردارانِ شرم و حیا خاکسار "جامعِ اوراق" پر کبھی "تبرّا" فرمانے لگیں تو براہ کرم "محرک" کا نام بھی لے لیں۔

اس کی کتابت شفیع الدین صاحب کوہیری نے بروقت کی ہے اور طباعت شمس الاسلام پریس حیدرآباد میں ہوئی ہے جس کے منیجر عبدالرحمان خان صاحب نے خاصی دلچسپی لی اور وعدہ پر کام ختم کیا، پروف کی صحت میں استاذی مولوی محمد سردار علی صاحب مدیر رسالۂ تجلّی نے بھی بڑے شوق سے مدد دی ہے جس کے لئے ان سب حضرات کا مشکور ہوں خدا کرے کہ یہ حضرات میری اور تصانیف کی اشاعت میں بھی اسی طرح میرا ہاتھ بٹائیں!

السیّد تمکین الکاظمی

۲۲/ جنوری سنہ ۱۹۳۱ عیسوی
کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد دکن

بنامِ شاهدِ نازک خیالان

عزیزِ خاطرِ آشفته حالان

مقدمہ

ریختی کی ایجاد کا سہرا تذکرہ نویسوں نے رنگین اور انشا کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے بعضوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے اور بعضوں نے نہ جاننے کی وجہ سے چنانچہ مولانا آزاد نے چونکہ رنگین و انشا سے پہلے کے ریختی کہنے والوں کا کلام دیکھا نہیں تھا اس لئے اگر انہوں نے انہیں دونوں کے سر اس سہرے کو باندھ دیا تو مجبوری ہے ان پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اسی طرح صابر وغیرہ بھی مجبور ہیں۔

سب سے پہلے "خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم" کے مولف نے رحیم معاصر ولی کو ریختی کا مخترع قرار دیا ہے[1] اس کے بعد مولانا عبدالحی مرحوم نے گل رعنا میں صوفی ملکاپوری کے حوالے سے آزاد کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ رنگین اور انشا ریختی کے موجد ہیں ہاشمی کو اس کا موجد قرار دیا ہے اور پھر ان کے بعد خاکی کو ریختی گو ٹھہرایا ہے[2]۔

---

[1] دیکھو شعر الہند جلد دوم ص ۴۳ ۔ [2] دیکھو گل رعنا ص ۳۳

مگر باوجود اس کے مولوی عبدالسلام ندوی رنگین ہی کو موجد قرار دیتے ہیں ہم نے سطور بالا میں جن تذکروں کا حوالہ دیا ہے اُن کے الفاظ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"المختصر ان کے بعد انشاء اللہ خاں دہلوی رسمی بہ ہیئت راجہ رام و رنگین مرحوم و جان صاحب و نازنین اور عیاش و ناز اور آتش موجود وغیرہ نے روز بروز اس کو زینت بخشی لیکن میرے نزدیک امیر خسرو کے زمانے سے لیکر قدماء کے دور تک کے جو اشعار ان تذکرہ نویسوں نے نقل کئے ہیں اُن کو ریختی نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ہندی شاعری کے طرز روش پر کہے گئے ہیں۔ جس میں عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دیا گیا ہے نواب امیر خاں کے اشعار کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے موجودہ حالت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اول اول سعادت یار خاں نے ریختی کو ایجاد کیا اور انہیں نے اس کو ترقی بھی دی۔"

(شعرالہند جلد دوم ص[illegible])

چنانچہ ایک مدت تک ہمارا بھی یہی خیال تھا مگر موجودہ مواد نے ہمیں اس خیال پر قائم رہنے نہ دیا یقین ہے کہ اور تذکرہ نویس بھی اپنے خیالات بدلنے میں اس مواد سے مدد لینگے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر جو قدیم ریختی ہے وہ سید شاہ ہاشم کے مرید میراں ہاشمی کا کلام ہے۔ یہ بزرگ بیجاپور کے متوطن علی عادل شاہ کے درباری شاعر تھے ۱۰۹۸ھ میں انتقال کیا اور منجملہ اور تصنیفوں کے

۱۔ دیکھو سالنامہ قوس قزح ۱۹۲۴ء مضمون ریختی اور رنگین ہے۔

ایک مستقل ریختی کا دیوان بھی چھوڑ گئے جس کا ایک نسخہ مولوی آغا حیدر حسن ایم۔ اے۔ آر۔ ایس (لندن) پروفیسر نظام کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔ ڈاکٹر سید غلام محی الدین قادری ایم، اے پی ایچ ڈی لکھتے ہیں کہ ۔

"دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ"
"ریختی کی ابتدا شمال ہی میں کی گئی۔ ہاشمی کی ریختی اگرچہ اس"
"نوع کی شاعری کی ابتدائی کوشش ہے لیکن اسقدر"
"اعلی درجہ کی ہے کہ کوئی اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ"
"سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی زبان"
"محفوظ کر لی گئی ہے۔"

(اُردو شہ پارے جلد اول صفحہ ۲۵، ۳۶)

ہاشمی نے بالکل دکن کے نسوانی روزمرہ میں ریختی کہی ہے۔

اُوجسدن گول کنڈیاں گئی ہو یاد ہیں باتاں
ہمیں تم مل کو بیٹھے تھے سکھی جس دن ہیں لا رے

+

مجے بکڑے ہیں کی چھوڑ دا اُو دیکھو لڑنک ناروں گی
خدا کی سوں ہیں ہنستی ہوں بڑی لوکو پکاروں گی
سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھوں گی
بہانا کر کے سوتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گا

اٹھوں یاں آؤ کہونگے تو کہونگی کام کرتی ہوں
اٹھلتی اور ٹہلتی چپ چپ گھڑی دو چار بیٹھوں گی

ہاشمی کے بعد اشرف اور رحیم معاصرینِ ولی کی ریختیاں نظر آتی ہیں۔ گو ان دونوں نے ریختی کے دیوان مکمل نہیں کئے مگر بعض شعر اس رنگ کے ضرور پائے جاتے ہیں۔ ولی کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مؤلف فرہنگ آصفیہ نے سنہ ۱۱۰۱ھ میں ولی کو ملک عدم کی طرف چلتا کیا ہے۔ آصفی ملکاپوری نے اور مولوی نصیر الدین ہاشمی نے ۱۱۵۵ھ تک اُسے زندگی کے جھمیلوں میں پھنسایا ہے بہر حال یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ولی نے سنہ ۱۱۰۱ھ سے ۱۱۵۵ھ تک کسی ایک سنہ میں وفات پائی۔ اشرف اور رحیم دونوں ولی کے معاصر تھے اور انہیں سنین میں موجود ہوں گے۔ اشرف کا صرف ایک ریختی شعر ملتا ہے۔

پیا بن میرے تئیں بیراگ بھایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے

رحیم کے بھی صرف چار یا پانچ شعر ملتے ہیں۔

لاڑی تو نا دال تئیں اپنے سجن کو کیوں رٹھایا ہے
رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت کیا ٹھنگی میری نصیحتاں کہتی ہوں
سکھی کو رات سوہی ہے کہ پیارے کو جو بھایا ہے

سنہ ۱۱۷۵ھ میں لچھمی نرائن شفیق نے چمنستان شعراء ترتیب دی ہے اور انہوں نے کسی میر یحییٰ مخاطب بہ نوازش علیخاں منصبدار برہان پوری متخلص بہ عاشق کا تذکرہ کیا ہے، ان کا رنگ بھی ریختی سے مشابہ ہے۔

سلونے سجن تیرے کوچے بیچ　　شب و روز عشاق کا شور ہے

مگر افسوس ہے کہ ان کے بھی زیادہ اشعار نہ مل سکے۔

معاصرین ولی ہی میں ایک بزرگ سید محمد قادری تھے جن کا دیوان اُن کی زندگی ہی میں سنہ ۱۱۸۳ھ میں مرتب ہوگیا تھا جس میں ایک ریختی غزل بھی موجود ہے، یہ وہی دیوان ہے جس کا تذکرہ مولوی عبدالحی مرحوم نے گل رعنا میں کیا ہے اور جو نواب صدر یار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ان حضرت نے تصوف آمیز ریختی بڑے مزے سے کہی ہے۔

پیا بن اے سہیلی انجنوں سے مکھ دھوتی ہوں
کبھی بن شمع گھر اندھارا دیکھ روتی ہوں
رہوں میں کب تلک جھرتی جلا کر دل کتیں گڑتی
کہ اب غم کے پہاڑوں پر پچھاڑا ہو سر پٹوتی ہوں

نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد حکومت میں سنہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء سے سنہ ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء تک نواب بدر الدین خاں بہادر امیر جنگ امیر الدولہ متخلص بہ لائق تھے جن کا ریختے کا دیوان آصفیہ لائبریری میں موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ

ریختی کا دیوان نہیں ملتا صرف ایک ریختی مذکورۂ بالا دیوان کے آخر میں نظر آتی ہے۔ جو رنگین کی ریختی سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے ردیف الف میں رنگین نے "دور دوا" "نور دوا" قافیہ اور ردیف میں (۷) شعر کہے ہیں اور اسی ردیف میں صرف قافیہ بدل کر لائق نے بھی (۶) شعر کہے ہیں ملا کر دیکھیے۔

لائق

پاس میرے تو کسی ڈھب سے اُسے لا ری دوا
میں بلائیں تیری لیتی ہوں ارے جا ری دوا
وہ نہ آئے تو قسم دیکھو میرے سر کی
اُس کو جھٹ پاس کسی ڈھب سے منا لا ری دوا
ہائے ہائے کیا بیٹیا تجھے کہا یا تو نے
وہ منا لے تو تجھے چوری سے لیجا ری دوا
وہ نگوڑا مالی ملے پر تو دوہتڑ ماروں
یا کوئی اور ہو تدبیر تو بتلا ری دوا
چپنے سے سینہ ملا اُس کے تو لوٹے لو
پاؤں میں پاؤں لا عیش کروں پیاری دوا
کیا کہا کس لئے کہا تیری سو لائق شب کو
جھکو لوٹو کی قسم کہہ دو نہ شرماری دوا

رنگین

مجھ پہ طوفان سے لے جاوے کا چل دور دوا
جھوٹ سچ سنے کا تیرے جائیگا اُڑ نور دوا
ایک تو شکل ڈرانی ہے تیری بیجا سی
لیت لوں پہاڑ کے دیدے مجھے منہ کھود دوا
سک گیا ہے تیرے ہاتھوں سے کلیجہ مارا
مجھکو دن چیلوں کو کر کے ہے بیر اسقدر دوا
اس لگانے سے تیرا اور بجھانے سے تیرا
تیری تالو میں الٰہی کرے ناسور دوا
بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل سے تو یہی
بدی ہنسی تیری کرنی ہے مجھے چور دوا
دوستوں کو یہ دن تو کیا سوجھی
اور کیا جانے کیا ہے مجھے منظور دوا
تیری تو تو تو ہیں ہنسی ہی بھلا حق سے

پھر یہ کیوں کرتی ہو رنگین کا مذکور ددا

اسی زمانہ میں لائق کے علاوہ محمد صدیق قیس بھی ریختی گو تھے جن کا دیوان رنگین کے دیوان سے زیادہ ضخیم کتب خانہ آصفیہ میں (دواوین [illegible]) موجود ہے قیس نے سنہ ۱۲۳۱ھ میں وفات پائی ہے۔

قیس کی ریختیاں بالکل رنگین کی سی ہیں، قیس اور رنگین کی ریختیوں کا مطالعہ کرنے والا صرف دو نتیجوں پر پہنچ سکتا ہے کہ قیس نے رنگین کے دیوان کا جواب کہا ہے یا۔ رنگین نے قیس کے دیوان کا! رنگین کی ریختیوں کا جو دیوان انڈیا آفس میں موجود ہے اس کا سنہ تصنیف ۱۲۴۹ھ[1] ہے، اور قیس نے سنہ ۱۲۳۱ میں انتقال کیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ قیس کی ریختیوں کا دیوان سنہ ۱۲۳۱ھ سے قبل مرتب ہو چکا تھا اس طرح دیوان قیس دیوان رنگین سے انتیس سال قبل مرتب ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بیجا ہوگا کہ قیس نے رنگین کی ریختیوں کا جواب کہا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیس کا دیوان رنگین کے پیش نظر رہا ہے مگر ہماری رائے میں یہ بھی درست نہیں قیس نے اس قدر غیر معمولی شہرت حاصل نہیں کی تھی جو ان کا دیوان حیدرآباد سے باہر نکل کر رنگین تک پہونچتا۔ ہماری رائے میں رنگین نے الگ کام کیا ہے اور قیس نے جدا ریختی کہی ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید رنگین کے دیوان ریختی کے دیباچے سے بھی ہوتی ہے وہ

۱۔ دیکھو فہرست ہندوستانی مخطوطات مرتبہ بلوم ہارٹ (رنگین)

لکھتے ہیں کہ

"بعد حمد رب العالمین اور نعت سید المرسلین خاکپائے شعرا"
"نکتہ چین سعادت یار خاں رنگین عرض کرتا ہے کہ بیچ ایام"
"جوانی کے یہ نامہ سیاہ اکثر گاہ بیگاہ عرس شیطانی کہ عبارت ہے"
"جس سے تماش بینی خانگیوں کی ہے کرتا تھا اور اس قوم کی"
"ہر ایک فصیح کی تقریر پر دھیان دھرتا تھا۔ ہر گاہ چند مدت"
"جو اس وضع پر اوقات بسر ہوئی تو اس عاصی کو ان کی اصطلاح"
"اور محاوروں سے بہت سی خبر ہوئی پس واسطے انہیں"
"اشخاص کے عام بلکہ خاص بولیوں کو ان کی زبان میں اس"
"بے زبان ہیچمدان نے موزوں کر کے ترتیب دیا۔"

(دیباچہ دیوان ریختی رنگین مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

علاوہ ازیں اپنی ریختیوں میں اکثر جگہ ریختی کی ایجاد کا ادعا کیا ہے

چنانچہ

ریختی کہنی اجی رنگین کا یہ ایجاد ہے — منہ چڑھاتا ہے سوا انشا جیا کس واسطے

اور

رنگیں سے ہے ریختی ایجاد رنگین — اسی باعث کہا کرتا تھا۔ اکثر
سوا انشا بھی اب کہنے لگا ہے — چہ خوش اس چیونٹی کے بھی پر ہوئے

کہکر اپنے دعوی کو اور تقویت دی ہے۔
قیس کے دیوان میں ریختیوں کے آغاز پر،

"منتخب دیوان ریختی قیس محاورہ بیگمات محل بادشاہی شاہجہاں آباد"
لکھا ہوا ہے۔ گویا ریختی قیس کی نظر میں محلات شاہی شاہجہاں آباد کی شوخ چشم بیگمات کا محاورہ تھی اور رنگین عرس شیطانی میں جاکر خانگیوں کی تماش بینی کرکے ریختی لکھتے ہیں۔ گو دونوں کی رسائی ایک ہی نقطہ پر ہوتی ہے اور ایک ہی جگہ سے چل کر ایک ہی جگہ ملتے ہیں مگر دونوں کا خیال جدا جدا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے اکثر ردیفوں میں رنگین اور قیس نے مل کر کہا ہے بعض جگہ ردیف مشترک ہے بعض جگہ قافیہ اور بعض جگہ دونوں خیالات تو عموماً لڑتے گئے ہیں ملاحظہ ہو۔

قیس

اتنے کیوں موتی لگائی اری ادا ہو دوا
جھک گئی بوجھ سے موتی کے سرکان دوا
جھمکے پہن تو ذرا سی تو اس کرتی کا لیکن اتنا
تنگ ہوتا ہی گلے میں ہے گریبان دوا

تیری گودی میں تو کھیلی ہوئی ہوں
میری بات کا مت برا مان آ جا
اری قیس کہیں تو جاتی ہو گھر کو
میرے ساتھ چل تو بھی مہمان آ جا

رنگین

مجھ پہ طوفان نہ لے جاوے کا چل دور دوا
جھوٹ سی منہ کا تیرے جائیگا اتر نور دوا
پک گیا ہے تیری ہاتھوں سے کلیجہ میرا
تجھکو دوں حیلوں کو گر ہو میرا مقدور دوا

نیند آتی نہیں کمبخت دوا آجا
اری بیٹی کوئی کہہ آج کہانی آجا
بال باندھے کے جو ڈوری سے لئے مرلی نے
شکل لگتی ہے تیری آج ڈرانی آجا

غرض دیکھ کر تو بھی خوش ہو گی دل میں
عجب طور کا ہو وہ انسان آ گیا

تھم ہر نگیں کو نہ میرا لیو ہیں اُس کے پیچھے
مفت برباد ہوئی میری جوانی آ جا

بوا لا دے ایسا طرحدار جوتا
جھالا پور کا کوئی دھواں دھار جوتا

مجھے چاہئے ہے دھواں دھار جوتا
کوئی لا دے انّا طرحدار جوتا

رات کوٹھے پہ تیری دیکھ لی چوری انّا
کالی اوڑھنی تھی چڑھی نیچے تھی گوری انّا
لاڈ بازار کو جاتی ہے تو صدقے تیرے
بھول مت یاد سے لے آ میری ڈوری انّا

رات باتوں میں جہاں تو نے گزاری انّا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے اسے لا ری انّا
آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اُس کی جدائی
روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انّا

کاہیکو پہنو گی باجی میں تمہاری انگیا
ایک سے ایک میرے پاس ہے پیاری انگیا
جسکی چڑیا کا وہ عالم تھا کہ اب اُڑ جائے
میں نے باجی سے جو کل شرط میں ہاری انگیا
ٹولیاں ڈھیلی ہیں اور تنگ ہے پہناؤں مروڑا
اس طرح کوئی بھی سیتا ہے گنواری انگیا

کل جو منگائی نئی سی تو کیسی مروڑی انگیا
ہو گئی تنگ تیرے پہناؤن سے نگوڑی انگیا
ٹھیک کچھ گات پہ بیوی نہیں لی منگا لی
تنگ اس سے بھی ذرا سیجیو تھوڑی انگیا
ٹولیاں اور پہناوی ہوئی سب تار بتار
کچ کچا کر کے جو تنگین نے نچوڑی انگیا

ایسا تو ہو محل میں کوئی دیکھ لے تجھے

ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن

باندی کنارے بیٹھ کے دھولا ازار بند

اپنے کبھی ہوں گے دوگانا وہ طرحدار اصیل
نوجوان پتلی سی گوری سی دھوں دار اصیل
اشنان کے نہا آتی ہے بو تجھ میں سڑی
کتنی گندی ہے اری دور ہو مردار اصیل

کیا بنا لائی ہے منہیارن مہاتی چوڑیاں
میں تو پہنونگی کبھی یہ آسمانی چوڑیاں
بڑھ گئیں دو چوڑیاں تو بڑھ گئیں کڑھتی ہے کیوں
پہن لے چل ہاتھ ڈھیلا چھو جانی چوڑیاں
قیس پر کرتے تھے فرمائش کہ یوں جوڑا بنا
سبز سالو ورنہ اودی آسمانی چوڑیاں
آگے پیچھے عاشق و معشوق کو گوٹیں لگا
دہار پہلا دہار کے کل میں رہا لی چوڑیاں

بخشنے والا ہے صاحب میرا اوپر والا
یہ تو کہتی نہیں میں نیک ہوں بدکار ہوں

بن بن کے بیچتی ہے بچاری ازار بند

تو خریدار کی میرے ہے خریدار اصیل
مارے گردن تجھے لیکر کوئی تلوار اصیل
میری چنریا سی ترے ہٹ کی بکا کرتا ما
میں نے یہ بات کہی تجھکو ہے سو بار اصیل

کسکی ہے بختاوری پہنے کنواری چوڑیاں
رالی مینا کی جیا مجھ کو منہیاری چوڑیاں
مہندی جبتک میں لگاؤں تب تلک اے منہیاری تو
ٹھیک کر جوڑا قرینے سے لگا ری چوڑیاں
جھوٹا جوڑا پہنوں میں اللہ یہ چھوٹی بات ہے
سچے بندوں کی منہیاری مجھکو پہیاری چوڑیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگین ہیں نو بار یا
پہنیاں سب رنگ کی ہیں باری باری چوڑیاں

یہ بولتی ہوں بول بُرا خاک چاٹ کر
گوٹیاں کی طرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں

کیا جانئے کیا ہوگی جوانی میں یہ آفت
کوسا کبھی میری ایک دھواں دھار ہے گوئیاں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ
تجھ پہ کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں

راحت افزا سے یہ کہیو اجی گلشن لو لو
ہاتھ دھونے کو میرے لائیو بیسن لو لو
کیا دھواں دھار تھی پر کالۂ آتش اف ری
آگ لینے جو وہ آئی تھی پڑوسن لو لو
تکیہ جوں جوں کا توں رانوں کے تلے دھر دینا
بیٹھے مسند پہ جب آ کر میری سمدھن لو لو
لی دوگانا جو کہیں رات کسی کا صافہ
بن گیا پھول سمٹ غنچۂ سوسن لو لو
ٹھس پڑے رو میں کمر دکھتی ہے رانیں اکڑیں
کیا مری تم نے لیا قیس کی آسن لو لو

یہ تجھے سے آپکی عادت کہ جسکی ہوتی ہے حیا لو لو
پھر اس سے کرتی ہے اپنی مقدور آپ بندی بنا لو لو
کسی سے آگاہ میں کہا تھی کیا آنکھوں میں مری تلپٹ
نہ اسمیں تقصیر جی کی ہر گز نہ اسمیں دل کا لگنا لو لو
جو پڑھ کے باجی سے میں ہوئی تو بولی تو کیا تو میں مار کے چپکے
نہیں ہے باور تو اس سے پوچھو جیا ہے جو کیا گواہ لو لو
دوا کی کہتی ہے پتہ نجانا نہیں ہے یا تو نہیں اسکی بھدرک
تو نہیں وہ کرتی ہے مجھ سے ہر دم تکیہ کو نکیا مانگو پناہ لو لو
کسی کی فرد سے جا کو کہہ دو جو تم تسلی سے اسکی لاد کے
غضب ہے تکلیف اتنا کیا آیا پڑی ہیں تکتی ہو نوڑا لو لو

ہمپر تو جوانی کی ہے جو جور زناخی
بھرتی نہیں نظروں میں تیری حور زناخی

تو اور بھی کر پیار گلے میرے چمٹ جا
طعنے مجھے اب دیتے ہیں سب لوگ زناخی

کیا میں کروں گی لیکے تیری ہلکی اوڑھنی
لا دے دو دو وہ مجھکو جھلاجھل کی اوڑھنی

ہیں وہ تو اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی
باجی مجھے لے دو وہ جھلاجھل کی اوڑھنی

چھلے کا اُس پہ کام تھا کیا خوب واچھڑے
کوٹھے پہ جو لٹکتی تھی وہ کل کی اوڑھنی
شعلہ سا ایک آنکھوں میں میری چمک گیا
سر پر پڑا تھا وہ جو کہیں ڈھلکی اوڑھنی

بھاری بنت منگادی کہ رنگین لگاؤں میں
سر پر سے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی
پہونچی کچپک کمر کو ارے لوگو دوڑیو
کوٹھے تلک جو سر سے میری ہلکی اوڑھنی

تو نے چڑیا وہ بنالی ہے کہ بس بول اُٹھے
تیری ہاتھوں کو میں قربان گئی سغلانی

پھر لے ربط ہو اُڑ جائے یہ چڑیا کمبخت
تس پہ ڈوری ہے عجب ڈھب کی کسی سغلانی

دوگانا تو کیا ہے کسو کے کبھی آگے
اری قیس کا کرنہ مذکور باندی
قسم ہے علی جی کی کہتی ہوں تجھسے
کروں گی تیری ہڈیاں چور باندی

بڑبڑاتی ہے تو کیوں منہ کو بچکا کر ہر بار
ستیاناس تیرا جا موا اے ری باندی
پھوٹ جائے کہیں یہ تیرا ہو الّی دیدہ
آفتابے کو میرے ہاتھ سے لے ری باندی

رنگین کے علاوہ انشا کی ریختیوں اور قیس کی ریختیوں کی اکثر ردیفیں مل گئی ہیں ملاحظہ ہو:—

قیس

نل بھر گئے پیڑو میں میرے درد ہی بیٹھا
مت چھیڑ میں ہوں جان سی حیران دوگانا
کیا بولیگا خوجہ وہ سوا بیش بریدہ
آنے دے میں کیا کھولتی ہوں کان دوگانا

انشا

توج ایسے کہیں اور رہو گھر گھوج بٹے لوگ
سب تاڑ گئی ہے یہ برا شہر دوگانا
چھتوں نیری بس دکھتی یاد پڑے ہے
دلی کی وہی چہل وہی لہر دوگانا

چونکہ رنگین اور انشا نے ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ریختیاں کہیں ہیں اس لئے قیس کی ان ریختیوں کا مقابلہ جو قبل ازیں رنگین کے مقابلہ میں لکھی گئی ہیں انشا کی ریختیوں سے کیا جاسکتا ہے۔

ریختی کی مذمت سے ہر تذکرہ بھرا ہوا ملیگا سب سے آخر اور حالیہ تذکرہ میں جو ہسٹری آف اردو لٹریچر کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ریختی کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"یہ حسن پرستی اور شہوت پرستی بعد کو ایک خاص طرز میں ظاہر ہوئی جسکا نام ریختی یعنی عورت کی زبان رکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ریختہ سے نکلا ہے اور اس کا مونث ہے عورتوں کی زبان بالذات کوئی مذموم بات نہیں مگر خرابی یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار جذبات نفسانی کو برانگیختہ کرنے کی غرض سے کہے جاتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ نہایت فحش اور مخرب اخلاق

اور شرفاء کے کانوں تک کو ناگوار ہوتے تھے ایسی کل چیزیں جو عورتوں کے پڑھانے کے قابل نہیں ہوتیں غیر مہذب اور فحش ہوتی ہیں'' الخ

(ص ۲۸ و ۲۹)

''ریختی کے طرز میں ایک قسم کی دلچسپی ضرور ہے مگر خرابی یہ ہے کہ اس میں غیر مہذب اور فحش آمیز اشارے ہوتے ہیں۔ نساخ کی رائے ہے کہ اس طرز کے موجد میاں رنگین تھے اور رنگین نے خود بھی یہ دعوی اپنی نسبت اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا ہے۔ مگر غور کیا جائے تو یہ طرز قدیم شعراء علی الخصوص شعراء دکن میں بھی موجود تھی مثلاً مولانا ہاشمی بیجاپوری جو دکن کے ایک مشہور شاعر تھے اور مولانا قادری جو ولی کے ہمعصر تھے اور رحمن کا تخلص خاکی تھا اور رحمن کا دیوان ۱۱۸۲ھ میں مرتب ہوا ہے ان لوگوں کے یہاں بھی ریختی کا پتہ چلتا ہے مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ ان قدیم شاعروں کی ریختی ایک خاص قسم کی تھی جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کے کلام میں بھاشا کا زیادہ اثر ہے لہذا اسی کے تتبع میں اظہار عشق عورت کی جانب سے اور اسی کے الفاظ میں کرتے ہیں بخلاف معمولی اردو کے جس میں اظہار عشق عموماً مرد کی جانب سے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس قسم کی ریختی میں فحش اور ابتذال مطلق نہیں ہوتا بر خلاف انشاء و رنگین کی طرز کے جن کا دار و مدار عیاشی اور شہوت پرستی پر ہے ان کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ایسا کلام پڑھ کر لوگوں کو ہنسی آئے یا ان کے نفسانی جذبات میں ہیجان پیدا ہو اسی وجہ سے اس قسم کی نظموں میں خلوص اور بلند خیالی یہاں تک

کہ بے ضرر اور سادہ مذاق بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ہمارے ملک میں عورتوں اور مردوں کی علیحدہ علیحدہ زبان ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ ان دونوں کی زبانوں میں صرف الفاظ و محاورات کا فرق ہوتا ہے جس میں بعض الفاظ و محاورے مستورات کے لئے مخصوص ہیں جن کو عام طور پر مرد نہیں استعمال کرتے۔ ہمارے نزدیک اس خصوصیت اور فرق کی بڑی وجہ پردہ ہے جس سے اس ملک کی شریف گھرانے کی عورتیں غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتیں اکثر پرانے خیال کے لوگوں میں تو پردے کے بارے میں یہاں تک سختی ہے کہ عورتیں اپنے غیر محرم رشتہ داروں تک سے پردہ کرلیتی ہیں پس ایسی قید کی صورت میں لازم ہوا کہ عورتیں اپنے واسطے کچھ خاص اصطلاحیں اور محاورے مخصوص کرلیں مثلاً مرد چونکہ آزاد تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں لہذا وہ دوسری زبان کے الفاظ بے تکلف بولنے لگتے ہیں۔ عورتیں برعکس اس کے اپنے پردے اور عدم تعلیم کی وجہ سے اپنی خالص زبان کی پابند رہتی ہیں۔ اور اس کی صحت اور سلیس رہنے کی حفاظت کرتی رہتی ہیں علاوہ چونکہ عورتوں کے مزاج میں فطرتاً قدامت پسندی اور تغیر ناآشنائی ہوتی ہے اس وجہ سے دوسری زبانوں کے ثقیل اور کرخت الفاظ ان کو پسند نہیں آسکتے مزید برآں ان میں فطرتاً شرم وحیا اور ضعیف الاعتقادی ہوتی ہے اس لئے ایسے الفاظ ان کو ایک رمز وکنایہ سے اور خاص طریقے سے وضع کرنا پڑتے ہیں جن کے نام لیتے ہیں

ان کو شرم و حیا مانع ہو یا وہم و خوف دامنگیر ہو۔ یہ تحقیق اصطلاحات و محاورات ظاہر ہے کہ ان گھرانوں میں زیادہ ہے جہاں پردہ کی زیادہ سختی سے پابندی ہوتی ہے اسی فرق مذکورہ بالا سے انشا اور رنگین نے اپنے خاص اغراض کے لئے فائدہ اٹھایا اور اپنی نو ایجاد طرز کا دار و مدار اسی مخصوص عورتوں کی زبان اور بے عیاشی اور بد اخلاقی پر رکھا۔

"ریختی اس زمانہ کی بگڑی ہوئی سوسائٹی کا بہترین آئینہ ہے جبکہ لکھنؤ کے عیش پسند فرمانرواؤں اور امراء کی محفلوں میں عیش و عشرت اور حسن پرستی کا بازار گرم تھا۔ اور بازاری عورتوں کا عشق داخل فیشن ہو گیا تھا۔ شہر کے نوجوان امراء اس قسم کی بے اعتدالیوں سے متنبہ ہونے کی بجائے ان کو کھلم کھلا اور بلا خوف لوم لائم عمل میں لاتے تھے ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی نظمیں ان کے جذبات اور ان کے مذاق کا آئینہ ہونا چاہیئے۔ مگر حقیقت میں اس قسم کی ناشائستہ اور غیر مہذب نظمیں نہایت ہی مضر ہیں۔ اخلاق اور نوجوانوں کے حق میں سم قاتل ہیں چنانچہ خود انشا نے بھی اس قسم کے فواحش کے برے اثر کا ذکر ایک جگہ اپنی "دریائے لطافت" میں کیا ہے۔ بہر طور یہ طرز اس زمانہ میں بہت مقبول تھی اور اس کی ترقی کی معراج میر یار علی المتخلص بہ جان صاحب کے زمانہ میں ہوئی۔ ...."

غرضیکہ یہ صنف شاعری اب مقبول نہیں ہے اور مہذب محفلوں میں اس کو کوئی پسند نہیں کرتا البتہ مذاق و ظرافت کے وہ اشعار جو دائرہ

تہذیب سے خارج نہوں عام طریقے سے پسند کیے جاتے ہیں"
(تاریخ ادب اردو ص۲۳۲ تا ۲۴۴)

ریختی کے متعلق ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا شرر فرماتے ہیں۔

"لیکن ریختی کا فن باوجود غیر مہذب ہونے کے دلچسپ ہے ۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ مردوں اور عورتوں کے محاوروں اور لہجے میں تھوڑا بہت فرق ہر زبان میں ہوا کرتا ہے مگر اتنا نہیں جتنا ہماری زبان میں نظر آتا ہے۔ فارسی عربی سب زبانوں میں یہ امتیاز موجود ہے مگر اردو اس خصوصیت میں بڑھی ہوئی ہے فارسی اور عربی کا پیرایا مذاق تھا کہ عورتیں شعر کہتیں تو اپنی زبان میں اور مرد کبھی عورتوں کی زبان سے کوئی خیال ادا کرتے تو زبان میں لطف پیدا کرنے کے لیئے ان کی زبان اختیار کر لیتے یہی حال انگریزی کا ہے۔ اردو شاعری ہمیشہ سے صرف مردوں کی زبان میں رہی یہاں تک کہ اس میں عورتیں کہتیں بھی تو مرد بن کر کہتی ہیں مردوں ہی کی زبان اختیار کرتی ہیں اور اپنے لیئے وہی ضمیریں تک استعمال کرتی ہیں اگر شاعر کا نام نہ معلوم ہو تو کوئی نہیں پہچان سکتا کہ یہ کسی مرد کا کلام ہے یا عورت کا؟"

"اردو شاعری کا تیسرا یا چوتھا ہی دور تھا کہ شوخ طبع جوانوں میں خیال پیدا ہوا کہ ریختہ کی طرح ایک ریختی ایجاد کی جائے ۔۔۔

. . . . . ریختی اردو کا ایک فن ہو گیا جس کی ایجاد گو ایک دہلی ہی کے شاعر سے ہوئی تھی مگر لکھنؤ میں ہوئی اور یہیں اُسے فروغ ہوا . . . .
. . . . ریختی میں اگر فحش اور بدکاری کے مذاق سے پرہیز کر کے پاکدامنی کے جذبات اختیار کئے جاتے تو یہ فن ایک حد تک قابل ترقی ہوتا۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ اس کی بنیاد ہی بدکاری کے جذبات اور بے عصمتی کے خیالات پر تھی اس لئے ریختی گویوں کا قدم ہمیشہ جادۂ اعتدال سے باہر ہو گیا۔ اور اس نے زبان کو چاہے کسی حد تک فائدہ پہنچایا ہو مگر اخلاق کو نقصان پہنچایا۔"

(مضامین شرر مشرقی تمدن کا آخری نمونہ صفحہ ۹۱ تا ۹۲)

مرزا قادر بخش صابر اپنے تذکرہ گلستان سخن میں رنگین جان اور نازنین کی ریختیوں کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں۔

"صرف عورتوں کی گفتگو اور ان معاملوں کے سوا کہ مرتبہ شناسان سخن کے نزدیک فضول اور نازک دماغوں کے آگے نامعقول ہیں اور کچھ نہیں اور نامعقولیت سے مراد یہ ہے کہ کلام فحش آمیز یا کلمات شہوت انگیز سے زبان قلم کو آلودہ کیا ہو یہ تو اس نظم کے گوش و گردن کا پیرایہ ہے بلکہ اس طرز کا خمیر مایہ ہی مراد اس سے یہ ہے کہ وہ باتیں جو عورتوں کو اثنائے خانہ داری میں پیش آتی رہتی ہیں مثلاً کسی بہن بھنیلی کے گھر مہمان جانا یا کسی بھائی بند کا اپنے گھر بلانا خصم سے توم چھپا کے

گھڑوانے کی تمنا اور سرتی انگیار نگوانے کا تقاضہ اس طرح سے
خرچ کئے ہیں کہ ان سے کچھ لطف یا نکتہ کہ شاعر خوش مذاق
کو لذت دے حاصل نہیں ہوتا اور مرزائے مرزانشی نے
معاملات کو اس لطافت سے ادا کیا ہے کہ سامع کا جی
نکل جائے اور سننے والا کلیجہ پکڑ کے بیٹھ جائے ۔

(گلستان سخن ص ۴۴۵)

ان شعرا نے جو ریختہ کہتے تھے اگر ریختی کی برائی کی تو برا نہیں کیا اس لئے کہ یہ ان کے مسلک سے جدا چیز تھی مگر مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی ریختی کی برائی جی بھر کر کی ہے جو ریختہ کہتے تھے نہ فارسی . . . .
. . . . ریختی پر جو سب سے بڑا الزام لگایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں فحش پن اور شہوت انگیز باتیں زیادہ ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ان دونوں چیزوں کی موجودگی کے باوجود شعرائے لکھنؤ کے دواوین کو لوگ سر اور آنکھوں پر لئے کیوں پھرتے ہیں؟

مولوی عبدالسلام ندوی نے شعر الہند حصہ اول میں "لکھنؤ اور دلی اسکول" کا امتیاز ظاہر کرتے ہوئے "لکھنؤ کے تمدن و معاشرت میں عام طور پر جو زنانہ پن پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر وہاں کی شاعری سے بھی واضح طور پر نمایاں ہوتا ہے لکھ کر ذیل کے شعر نقل کئے ہیں۔

آتش

کسی کی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی   حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

ناسخ

جلا دے رنگ لائے دیدۂ خونبار اب تارِ نگاہ   ہے محرم اس پری پیکر کو نارا چاہیے

〃

کاڑھ خطِ استوا بدن کا   تیری سونے کی کردھنی ہے

یہ چند شعر مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ اگر شعرائے لکھنؤ کے دواوین کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو اُن سے عورتوں کے زیورات پوشاک اور سامانِ آرائش کی مفصل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ جابجا اُن کا لب و لہجہ بھی زنانہ ہوتا ہے۔ مثلاً:

رند

مر گیا منتظری میں تیری او وعدہ خلاف   موت آئے ملک الموت تیرے آنے کو

〃

او پری تجھ کو خدا نے دی ہے صورت نور کی   تیری ایڑی پر کروں صدقے میں چوٹی حور کی

〃

اب کی نوچندی میں آئے نہ زیارت کو اگر   علم حضرت عباس ہی کی مار پڑے

(شعر الہند حصہ اول صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵)

اسی باب میں مولوی عبدالسلام نے اور اسی قسم کے اشعار بھی نقل کیے ہیں جنہیں ہم بھی نقل کرتے ہیں۔

آتش

بوسہ بازی سے بری ہوتی ہے ایذا انکو ۔۔ منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں حیا سے پیدا

〃

لبِ شیریں کی تیری چاشنی ممکن ہوئی ۔۔ رس سے شکر ہوئی شکر سے نباتی پیدا

〃

یہ جانتے تو تمہیں ہم نہ باندھنے دیتے ۔۔ کمر کے ساتھ لپٹے گا ناف کو پٹکا

ناسخ

شکمِ صاف کے قریں ہے کمر ۔۔ یا ہے مخمل پہ خواب مخمل کا

حسین علی خاں اثر

دلا سوتے ہیں قندِ لب کے خاطر خواہ بوسے لے ۔۔ مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا

خلیل

وصل کی شب پلنگ کے اوپر ۔۔ مثل چیتے کے وہ مچلتے ہیں

ناسخ

بالوں کا کچھ اثر بغلِ یار میں نہیں ۔۔ پڑتا ہے عکس زلفِ سیہ فام دوش پر

خلیل

بچھڑے ہوئے دن کاٹتا ہے نامہ بری میں ۔۔ قاصد مرا گویا کہ روشنا[1] ہے محل کا

خلیل

دیکھی شبِ وصل نا شناس کی ۔۔ روشن ہوئی چشم آرزو کی

---

[1] روشنا —

مولوی عبدالسلام صاحب نے ان اشعار کو جو معمولی تھے نقل کر لیا ہے۔ اگر وہ چاہتے تو انہیں شعرا لکھنؤ آتش، ناسخ، بحر وغیرہ کے دواوین سے صدہا درجہ گندے شعر نکال سکتے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ آتش، اور ناسخ، بحر اور جلیل جیسے اردو کے اساتذہ نے اگر ایسے عریاں محاورے اور شہوت انگیز جذبات استعمال کئے تو برے نہیں لوگ انہیں آنکھوں پر جگہ دیں اور جان اور رنگین نے اگر انہیں واقعات کو لکھ دیا تو غضب ہو گیا ناصابر سے لیکر رام بابو سکسینہ تک چیخ اٹھے کہ فحش ہے مخرب اخلاق ہے کیا ہے اور کیا ہے۔

شعرائے عرب کے دواوین کا مطالعہ کیجئے تو آپ وہاں بھی ایسے ہی آبرو یا خستہ شاعر پائینگے۔ عرب کے شاعر اعظم امرا القیس کا سارا دیوان آپ کو ایسے ہی ریختیانہ خیالات اور جذبات اور مناظر سے بھرا ہوا ملیگا اس کا مایۂ ناز "دارہ جلجل" والا قصیدہ جس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ

الا رَبَّ یومٍ کان منھنّ صالحٍ ولا سیّما یوماً بدارۃ جلجل[1]

دارہ جلجل ایک تالاب تھا جہاں ایک دفعہ امرا القیس کی محبوبہ عنیزہ اور اس کی سہیلیاں کنارے پر کپڑے رکھ کر نہا رہی تھیں۔ اسی حالت میں یہ حضرت جا پہونچے اور سبھوں کے کپڑے سمیٹ چھپا ڈالا۔ اب جو

---

[1] وصل محبوب کے لحاظ سے جو اچھے دن گزرے ہیں ان میں وہ دن سب سے زیادہ اچھا تھا جو دارۃ جلجل میں گزرا۔

سبھوں نے نہا کر کپڑوں کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان سب کو اور خاص کر اپنی محبوبہ عنیزہ کو پانی سے برہنہ نکلنے پر مجبور کیا۔ یہ قصیدہ عمدہ ترین کلام میں شمار کیا جاتا ہے۔ بہترین جذبات کا آئینہ اور نفیس ترین الفاظ کا حامل عمدہ تشبیہوں اور استعاروں سے بھرا ہوا خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں اسی تالاب والے واقعہ کی عریاں ترین تصویر ہے۔ جو نہایت ہی فحش اور شہوت انگیز بھی خیال کی جا سکتی ہے۔

یہ حال شاعرِ عجم کی مشہور ترین نظم شاہنامہ کو دیکھئے تو اکثر مناظر اور اشعار آپ کو دارِ طبل سے زیادہ عریاں نظر آئیں گے۔ یہی وہ کتاب ہے جس پر عجم کو ناز ہے جو "قرآن عجم" کہلاتی ہے۔ علاوہ ازیں اور اساتذہ عجم کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ناسخ و آتش، بحر، خلیل کی طرح بیسیوں فحش اشعار ملیں گے۔

یونان کی مشہور شاعرہ سیفو کا کلام دیکھو تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آئیگا "دیان" کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا لکھ دیا اور لکھا بھی تو اس مزے سے کہ جان اور رنگین بھی مات ہو گئے۔ انہیں اشعار کو دیکھ کر یونانیوں نے سیفو کو ابرو باختہ قرار دیا اور سزا بھی دیدی مگر وہی لوگ اس کے کلام کے حافظ بھی رہے اور اب تک سیفو کا کلام موجود ہے۔

رونے کی جگہ ہے کہ مذکورہ بالا کلام میں کسی کو کیڑے نظر نہیں آتے مگر نظر آتے ہیں تو صرف ریختی میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں جو خدا ناصحا

دس "ماکلر" پر عمل کر کے گزشتہ شعر نکال دے اور اچھے شعر کہے!

ان نام نہاد علم برداران شعر و ادب کو معلوم ہونا چاہیے کہ بقول "لنکن"

"تم کچھ لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنا سکتے ہو اور سب لوگوں کو تھوڑے"
"عرصے کے لئے دھوکہ دے سکتے ہو لیکن تم ہمیشہ سب لوگوں کی"
"آنکھوں میں خاک نہیں جھونک سکتے"

دنیا کا عجب حال ہے۔ "وکٹر ہیوگو" کہتا ہے۔

"وہی پیش یا افتادہ باتیں جن پر قلم اٹھانا کسی زمانے"
"میں خلاف علمیت سمجھا جاتا تھا آج دنیا کے ادب میں بہ عظمت"
"نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں اور ان پر روشنی ڈالنا"
"معراج کمال کا ثبوت دینا ہے"

دس بارہ سال پہلے حیدرآباد میں محرم کے زمانے میں "رنگ" نکلتے تھے ان رنگوں میں عجیب قسم کی شاعری کی جاتی تھی بعض عبدالکریم نتھو بیگ وغیرہ ان پڑھ شاعر تک بندی کیا کرتے تھے لوگ سنتے اور ہنستے شعراء باکمال ناک بھوں چڑھاتے بلکہ خوب خوب سناتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اس شاعری کو سن کر خود مجھے ہنسی آتی تھی، مگر آٹھ دس سال بعد ہی زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہی نظمیں جو بابا عبدالکریم دانا والی محرم کی رنگوں والی بے تکی نظموں کی سی ہوتی تھیں۔ ہندوستان میں عام طور پر پسند کی جانے لگیں۔ جوان مرگ ادیب مولوی عظمت اللہ خاں بی۔ اے نے مجھے بھی اس رنگ کی

نظمیں کہنے پر مجبور کیا اور میں نے بھی کہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

ہندوستان اور دکن میں عام طور پر بارہ پندرہ سال پیشتر چکی پر گیت گانے کا دستور تھا یہ گیتیں غالباً چکی پیسنے والیوں ہی کی ایجاد ہوئی تھیں جب سے کہ آٹے کی گرنیاں نکلیں چکیاں بند ہوگئیں مگر ہزاروں کان اُن گیتوں سے آشنا ہوں گے وہ گیتیں بالکل عظمت اللہ خاں مرحوم کی نظموں کی سی ہوتی تھیں، عظمت مرحوم کہتے تھے کہ اُنکی نظمیں ہندی نظموں کی تتبع میں کہی ہوئی ہیں "ہندی کہنند" ایسے ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم مگر ظاہرا طور پر تو بالکل چکی کی گیتوں کی طرح ہوتی تھیں، مگر دلگی یہ ہے کہ چکی کی گیتوں کی ہنسی اڑائی جاتی ہے انہیں کوئی پسند نہیں کرتا لیکن عظمت اللہ خاں کی نظمیں عام طور پر پسند کی گئیں۔

یہ زمانہ کا تغیر نہیں تو کیا ہے؟

اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اچھا اور برا دیکھا جائے سُنی سُنائی پر مطلق عمل نہ ہو بلکہ ہر چیز کی بھلائی برائی اسے دیکھ کر معلوم کیا جائے۔ زبان اُردو اگر کسی شاعری کو حقیقی شاعری بنا کر پیش کر سکتی ہے تو وہ نہ تو قصیدہ ہے نہ غزل، نہ رباعی ہے، نہ واسوخت ریختی اور صرف ریختی حقیقی شاعری کی حیثیت سے پیش کی جا سکتی ہے۔

عربوں نے شعر کی تعریف یہ کی ہے کہ۔

"الشعر بمنتہٰ لبتہ الکلام"

آپ خود محسوس کرسکیں گے کہ ریختی میں کسقدر سادگی اور روزمرہ ہے نہ نرا تخیل ہے جس سے زمین و آسمان کے قلابے ملائے جائیں نہ استعارات اور تشبیہات کی بھرمار ہے کہ ایک ایک مصرع کو سمجھنے کے لئے آپ کو گھنٹہ گھنٹہ غور کرنا پڑے۔

"ہمارا کہنا ہے کہ۔

"شاعری انسان کی مادری زبان ہے"

غزل، قصیدہ، رباعی کسی چیز میں بھی آپ یہ بات نہ پائیں گے جو ریختی میں ہے ریختی پڑھ کر آپ یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ واقعی مادری زبان میں گفتگو ہو رہی ہے واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی مادری زبان ریختی ہے۔ مثال کے طور پر رنگین کی ایک قطعہ بند غزل نقل کیجاتی ہے

لائی انگیا جو میرے واسطے سی مغلانی
اپنی سگھڑائی پہ اترا ہنستی مغلانی

اس کا تب مان گھٹا ٹیکو کہا یوں جب میں
بات سن جائیو یاں آئیو لی مغلانی!

کیا اس انگیا کے بھیا دن کو میرا اکترا ہے!
جھول ایسا ہی نہیں کتنا کسی مغلانی!

پسر یاں دونوں طرف کی [illegible]
ٹوکی اوڑھنی یہ سر آکے [illegible] مغلانی!

[illegible]
[illegible] مغلانی!

[illegible]
[illegible] مغلانی!

[illegible]
[illegible] مغلانی!

[illegible]
[illegible] مغلانی

[illegible]
[illegible] مغلانی!

واں کوئی کیوں رہے ہو دیں جہاں ایسی جلّاد — رہے یاں اپنا کوئی مار کے جی مغلانی
کھا کے جب طیش سے اُن کو کہا اس نے کچھ کر یہ مجھے — تب یہ جھنجلا کے کہا میں نے کہ لی مغلانی!
نہیں جیتی ہو تو لو جاؤ جی لیں بس بخشو! — میں بھی گنتی ہوں بلا اور ابھی مغلانی
اس نے گو سر پہ اٹھایا تھا غل کل ہی سے — لیکن اس بات کو سنتے ہی ڈری مغلانی

کیا یہ وہی زبان نہیں جو ہندوستانی شریف مائیں نہیں بولتی ہیں کیا یہ وہی واقعہ نہیں جو اسی طرح یا ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہر ہندوستانی گھر میں پیش آتا ہو۔ دیکھئے عورت کی فطرت کو کس عمدگی سے نمایاں کیا ہے عورت کی یہ فطرت ہے کسی عورت نے اپنی کسی چیز پر اس کے سامنے غرور کیا کہ وہ بگڑی تاوقتیکہ بقول رنگین کے اُس کا "مان" نہ گھٹا لے چین نہ لے گی چاہے مغلانی کپڑا اچھا سی کر ناز کرے یا ماما کھانا اچھا پکا کر ذرا اتر جائے پھر یہ تو ملازمین ہوئے اسے تو اپنے عزیزوں کا بھی "اترانا" پسند نہیں آنا چاہیے وہ بہن بھاوجی ہی کیوں نہ ہو! اسی طرح ریختی کا ہر شعر فطرتِ نسوانی کی سچی تصویر نظر آئے گا اس میں چند فحش باتیں ضرور آگئی ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ واقعات ہیں۔

رات کو مجھ سے یہ تیری دیکھ لی چوری انا — سو گئی اور یہ تیری چٹکی بھی تجھے گوری انا

آخر قیس نے کہا یا رنگین نے "مثنوی در بیان سیر باغ" اور "اظہار واحوال دو عورتوں کا روبرو باجی کے" لکھا اور اسی غیر فطری کام کی تفصیل

---

۱ ـ نقش ـ

بتائی تو یار لوگ بگڑ بیٹھے کہ گندہ اشعار ہیں فحش ہیں اور شہوت انگیز ہیں۔
مگر کسی شخص میں اس قدر جرأت ہے کہ وہ ان واقعات کو غلط ظاہر کر سکے؟
"ڈاکٹر بری سکشول اسپ غنڈنگ" "سائکالوجی آف سیکس" "میڈیکل
جورنس پروڈیٹس" "دی سکشول لائف آف اورشا پیم" "برٹش میڈیکل جرنلز"
ان تمام واقعات سے بھرے پڑے ہیں کیوں نہ انہیں جلا دیا جائے۔
کیوں ان کی اشاعت روک دی جائے۔ کیوں نہ انہیں ضبط کر لیا جائے۔
دنیا بھر کے کارخانے۔ زنانی مدارس۔ زنانی دار الاقامے۔ زنانی جیل خانے
جس طرف نظر اٹھائیے یہی منظر پیش نظر ہوگا۔ "زمانہ قدیم کی مشہور مصری
ملکہ "ہیتشا" جو مصنوعی ڈاڑھی مونچھ لگاتی اور مردانہ لباس پہنتی تھی۔
اسی لعنت میں مبتلا تھی۔ روس کی ملکہ کیتھرائن باوجود شادی شدہ اور
کئی بچوں کی ماں ہونے کے ایسی ہی مشہور تھی"
عورتوں نے اس ایک طریقے کے علاوہ تسکین خواہشات کے کئی
ایک طریقے ایجاد کئے ہیں بعض مصنوعی آلات بھی بنائے ہیں۔ خیر یہ
گزری کہ ریختی گویوں کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا ورنہ ایک آفت
بپا ہوتی!
بہر حال بقول "ڈاکٹر کوشٹر" "یہ لعنت تمام دنیا کی عورتوں پر مسلط
ہے" اگر ریختی گویوں نے ایک آدھ شعر میں اس کا تذکرہ کر دیا تو کونسی
قبہ شکلی کی جس کی وجہ تمام "ملا" وضع لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔
یہی ایک چیز ہے جو ریختی میں زیادہ ہے ورنہ اور سب باتیں جو

ریختی میں موجود ہیں وہ سب کی سب اساتذۂ لکھنؤ کے دواوین میں موجود ہیں۔ مثنوی کہنے والوں نے تو (میر حسن سے لے کر شوق تک) خوب دل کھول کر اس قسم کے مضامین لکھے ہیں۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ ان کو برا نہیں ٹھہراتا۔ البتہ بیڑا ہوتا ہے تو ریختی اور صرف ریختی پر!

ریختی کی ابتدائی تاریخ تو آسانی سے معلوم ہوتی مگر یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ریختی ایجاد کیسے ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ نام سے ظاہر ہے کہ یہ ریختہ کی تانیث ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ریختہ کے بعد کی چیز ہے مگر یہ سوال حل نہیں ہوتا کہ کیوں ایجاد کی گئی۔ انشاء اللہ خاں کا بیان ہے کہ رنگین نے اس کو اس لیے ایجاد کیا کہ شریفوں کی بہو بیٹیاں خراب ہوں۔ رنگین کہتے ہیں کہ میں نے عرصہ شیطانی میں جا کر خانگیوں سے میل ملاپ بڑھا کر یہ چیز حاصل کی ہیں۔ انہوں نے اسی کو جمع اور "بیگمات شوخ چشم شاہجہاں آباد" لکھا ہے۔ انشاء اللہ خاں کا یہ بیان کہ رنگین نے شریفوں کی بہو بیٹیوں کو آوارہ بنانے کے لیے ایجاد کی ہے کچھ زیادہ باوقعت نہیں ہے اس لیے کہ نہ تو اس زمانے میں رنگین کا کلام اس قدر مشہور ہوا کہ ادھر سے نکلتا ادھر لوگوں کے زنان خانوں میں پہنچتا اور نہ کتابت و طباعت کی یہ سہولتیں تھیں کہ وہ شائع کر کے گھر گھر پہنچوا دیتے اور نہ اس زمانہ میں عورتیں اتنی لکھی پڑھی تھیں کہ رنگین کی ریختیوں کا مطالعہ کرتیں اور نہ اس زمانہ کے مرد اسے پسند کرتے کہ ان کی بہو بیٹیاں اس قسم کے اشعار کا مطالعہ کریں۔

رنگین کا یہ کہنا کہ خانگیوں کی ہم نشینی سے انہیں ریختی کہنے کی طرف

رغبت ہوئی۔ ایک حد تک درست ہے رنگینی ایک حد تک رنگین مزاج واقع ہوئے تھے عیاش آدمی تھے۔ خانگیوں سے خوب خوب صحبتیں رہیں اور اسی صحبت نے ان کی زبان پر زنانہ محاورات جاری کر دیے اور انہوں نے نظم کرنا شروع کیا۔ اسی طرح قیس کو بھی قلعہ معلیٰ کے محاورات اچھے معلوم ہوئے اور انہوں نے انہیں موزوں کر دیا۔ بات در اصل یہ ہے کہ نسوانی اردو بھی نہایت ہی دل آویز چیز ہے۔ شرر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"عورتوں کی زبان مردوں کے مقابل ہر ملک اور ہر قوم میں زیادہ شستہ اور دلکش ہوتی ہے۔ لکھنؤ میں یہ خاص بات تھی کہ محلات اور محترم خاندانوں کی معزز بیگموں کی زبان میں علاوہ نسائی دلفریبیوں کے ادبی اور شاعرانہ نزاکتیں پیدا ہو گئی تھیں باتیں کرتیں تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں اور غور کیجیے تو صحت الفاظ۔ پیاری بندشیں اور طرز ادا کی نزاکتیں بتاتیں کہ زبان کی خوبیاں اس سرزمین میں کس اعلیٰ کمال کو پہونچ گئی ہیں"

(مضامین شرر، مشرقی تمدن کا آخری نمونہ صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۲)

دنیا میں انسان اور بقول ڈاکٹر گھوش کے ہر ذی روح اور غیر ذی روح دو طبقوں میں منقسم ہیں۔ مذکر اور مؤنث یہ تقسیم بالکل فطری

اور قدرتی طور پر اسی کے ساتھ ساتھ ایک درمیانی چیز بھی پیدا ہو گئی ہے یعنی
عورت اور مرد کے بیچوں بیچ ایک تیسری صنف نے بھی جنم لیا ہے اور اس
طبقے میں دونوں اصناف کے افراد پائے جاتے ہیں۔

وہ مرد جن پر عورتوں کے خیالات کا زیادہ اثر پڑا یا کسی قدرتی کمی سے
ان میں نسائیت پیدا ہو گئی تو وہ اپنے آپ کو عورت سمجھنے لگے حالانکہ قدرت
نے انہیں مرد پیدا کیا تھا مگر وہ منشائے قدرت کے خلاف نہ تو عورت بن سکے
اور نہ مرد ہی رہے بلکہ ایک جداگانہ ہستی قائم ہو گئی۔ اسی طرح بعض عورتیں
بھی اپنے اندر مردانہ جذبات اور مردانہ خصوصیات کو محسوس کر کے مرد بننے
کی کوشش کرنے لگیں مگر وہ نہ تو مرد ہی بن سکیں اور عورت ہی رہیں بلکہ ایک
جداگانہ حیثیت قائم کر کے درمیانی قرار پائیں۔ اسی طرح آپ کو درمیانہ
مرد اور درمیانہ عورتیں اکثر ملیں گی۔ مردوں کے اس درمیانہ طبقے کے
متعدد نام رکھے گئے اور مختلف ملکوں میں مختلف اسمائے سے مشہور ہیں۔
مگر عورتوں کی اس درمیانی صنف کا کوئی نام ہی نہیں تجویز کیا گیا اور نہ
کسی ملک میں کسی خاص نام سے شہرت ہوئی چونکہ بہ نسبت مردوں کے
ان کی تعداد کم تھی اس لئے الشاذ کالمعدوم کے تحت انہیں بمنزلہ صفر
ہی سمجھا گیا۔

مردوں میں نہ صرف بعض اس درمیانہ روش پہ گامزن نظر آتے
ہیں بلکہ بعض ایسے بھی ہیں کہ ان میں سوائے لطافت خیال کے اور کوئی
بات عورتوں کی سی نہیں ملے گی اور اسی طرح بعض عورتیں بھی نسائیت کا

مکمل نمونہ ہونگی مگر ان کے خیالات مردوں کے سے ہوں گے بشرطیکہ ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مرد اپنے آپ میں نسوانی خیالات کی موجودگی اور ان کے جذبات کی لطافت کو محسوس کرتے ہیں اور نہ عورتیں اپنے تئیں مردانہ خیالات کی حامل سمجھتی ہیں انہیں عورتوں کے متعلق بیگم صاحب نے کہا ہے۔

ہاتھ ہیں جن کے قلم ہیں بات میں جنکی اثر   اسے براہ عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں

یہی نسوانی خیالات کی رو تھی جو مردوں میں پیدا ہو کر ریختی گوئی کی باعث ہوئی نہ تو کوئی فحش خیال اس کا محرک ہوا اور نہ میلوں تماشوں کی سیر ہی ہاشمی دکنی (متوفی سنہ ۱۱۰۹ھ) کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تماشوں میں بھی پہنچے اور عرس میں جا کر خانگیوں کی تماش بینی کیا کرتے تھے وہ بیجاپور کے مشہور مرشد سید شاہ ہاشم کے مرید اور خود بھی ایک صاحب دل بزرگ تھے۔ علی عادل شاہ کے درباری شاعر ہونے کی وجہ ان کا کیرکٹر اور بھی مضبوط اور بے عیب تھا، قدرت نے دیدۂ ظاہری بھی بند کر دئے تھے اب سوائے وظیفہ اللہ کے اور کیا کر سکتے تھے۔ مگر باوجود اس کے ان میں نسوانی خیالات کی ایک رو تھی جو انہیں ریختی گوئی کی طرف لے گئی اور انہوں نے ریختی کا دیوان مکمل کر لیا۔

اُو جیسدن گول گنڈی میں گئی ہو یاد ہیں یاں
ہیں تم ل کو بیٹھے تھے سکھی جسدن دلا رہیا

سجن آویں تو پردے سے نکلکر بھار بیٹھونگی   بہانہ کر کے موتیاں کا پرودنی ہار بیٹھونگی
انہوں پاس آ دیکھینگے تو کہونگی کام کرتی ہوں   اُچھلتی اور پھیلتی جیب گھڑی دو چار بیٹھونگی

یہ جذبات اسی وقت قلمبند کئے جا سکتے ہیں جب عورت کی نفسیات پر
مرد کو کامل عبور حاصل ہو جائے۔ یا مرد عورت کے خیالات میں ڈوب جائے
مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ مرد آخر مرد ہی ہے کبھی وہ مکمل عورت نہیں بن سکتا
ریختی کہتے کہتے تصوف پر اتر آیا جو اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

عرفان کی یاں کتابیں پڑھا سکتی ہوں تجھے
جب سے لگی ہوں پڑھنے ترا کلام لولو

اسی طرح خاکی نے بھی اسی رنگ میں ڈوب کر ریختی کہی ہے اور معرفت
و سلوک کے مضامین باندھے ہیں۔ سید محمد قادری جیسے متقی سید پیران پیر
پاکباز کے متعلق کون پیش بہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ لوگ برے کردار کے تھے۔
اسی طرح جان صاحب، انشاء صاحب، قران کے متعلق مشہور ہے کہ اگر یہ لوگ
نہایت متقی پرہیزگار سجدہ گزار نہیں تھے تو بد کردار بھی نہ تھے ان کے اخلاق
کے متعلق کسی کو شبہ نہیں ہے اکثر تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے خاص کر
انشاء کا کیرکٹر تو نہایت اچھا مشہور رہا ہے۔ [illegible] قیس دربار
[illegible] کے [illegible] ان کے ذوق و جمال
[illegible] سے تھے ان کے اخلاق و عادات بھی نہایت عمدہ اور قابل ستائش
تھے [illegible] زمانہ ہمارے پیش نظر رہا ہو [illegible] بیچارے بوڑھے
ہو گئے ہیں مگر ان میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو ان کی جوانی کے متعلق
خیال قائم کرتے ہیں [illegible] وضع دار [illegible] مذہب
[illegible] ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ [illegible] ان کے جذبات

واحساسات ہوبہو عورتوں کے سے ہیں اور یہی وجہ ہے جو وہ کامیابی سے ریختی کہہ سکتے ہیں۔

ریختی کے فوائد اور نقصانات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ریختی سے کوئی نقصان نہیں ہوا البتہ ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ عورتوں کی وہ گھریلو زبان جو گھر کی چار دیواری ہی تک محدود تھی منظر عام پر آگئی اور زنانی محاورات و اصطلاحات نظم ہونے کی وجہ سے محفوظ ہو گئے۔ رہا یہ اعتراض کہ ریختی سے اخلاق کو نقصان پہنچا۔ اس کو ماننے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں اور نہ اس وقت ہم اخلاقیات پر کچھ لکھنا ہی چاہتے ہیں۔

ہندوستان کی عورتوں کی ایک مستقل زبان ہے اور وہ ایک مدت سے چلی آرہی ہے مگر اب اس کو ستیاناس کرنے والیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں اچھی خاصی چونڈے والیاں نظمیں لکھتی ہیں تو مردوں کے رنگ میں مضامین لکھتی ہیں تو بالکل مردانہ انداز سے مگر وہ کیا کریں گی ان پر مردانہ تخیلات اور جذبات نے اسقدر گہرا اثر کر لیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھلا بیٹھی ہیں یہ وبا عام ہوتی جارہی ہے۔

ریختی کہنے والے اب بھی موجود ہیں اور بعض شعرا ریختی بھی کبھی کبھار ریختی شعر کہتے ہیں مگر یہ ریختی گو نہیں کہلا سکتے۔ ریختی کا ذوق اسقدر گھٹ گیا ہے کہ اب ریختی گو پیدا نہ ہو سکے۔ ہاشمی، خاکی، رنگین، انشا، جان صاحب، نازنین بیگم کے علاوہ اور ریختی گو شعرا کا کچھ کلام آپ کو اس تذکرے میں نظر آئے گا مگر یہ لوگ مستقل ریختی کے شاعر نہیں کہلا سکتے اور نہ تھے ان

کوئی خاص بات ہی پیدا کی۔

جہاں تک ممکن ہوا اردو تذکرہ نویسوں نے ریختی سے پہلوتہی کرنے کی کوشش کی ہے، زمانۂ حال کے سنجیدہ تذکروں میں سے گلِ رعنا، شعر الہند اور تاریخ ادب اردو کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو ریختی کی تھوڑی سی مذمت ضرور ملے گی مگر ایک شعر بھی نظر نہیں آئیگا، فنی اعتبار سے ہر تذکرہ نویس کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک اچھی اور بری چیز کو پیش کر کے اس پر خیال آرائی کرے مگر افسوس ہے کہ ریختی کے متعلق ایسا نہیں کیا گیا۔ سرے سے اس کو بری چیز سمجھکر ایک قلم ترک کر دیا گیا اور ہمارا جہاں تک خیال ہے ان تینوں تذکرہ نویس حضرات نے بھی جن کے تذکروں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں ریختی کو دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی صرف سنی سنائی باتوں پر لکھ مارا کہ ریختی ایسی اور ویسی ہے ورنہ انہیں جہاں ریختی میں برے اشعار نظر آتے ان کے ساتھ ہی ساتھ اچھے شعر بھی ملتے، ریختی میں کوئی ایسی چیز نہیں جو موجود نہ ہو۔ قصیدہ اور سراپا سے لیکر واقعہ نگاری کی کٹھن منزلوں تک آپ ریختی کے میدان کو وسیع پائیں گے، نازنین کا مخمسہ قدسی کی غزل پر ملاحظہ کیجیے مقطع کے جو مصرع لگائے ہیں وہ ہیرے ہیں کہ جڑ دئے ہیں۔ اس طرح سے شعر کو نبھایا ہے کہ واہ۔ آج تک سینکڑوں نے اس غزل پر خمسے کہے ہیں حدیث قدسی کے نام سے ایک رسالہ ہی طبع ہو چکا ہے۔ جس میں اس غزل پر مختلف لوگوں کے خمسے ہیں جن میں سے ایک خمسہ نازنین کا بھی ہے۔ مگر نازنین نے مقطع میں جو بات پیدا کی وہ کوئی

پیدا نہ کر سکا۔

وردِ عصیاں ہے جو تھی نازنین کو بیتابی — منہ پہ آنچل وہ ڈوپٹے کا لیئے روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اُسے کچھ نہ بنی — سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی

اپنی بے تابی سے پریشان کر کے قدسیؔ کو پریشان دار دربار رسالت میں بھیجنا نازنین ہی کا کام تھا۔ اسی طرح جان صاحب اور رنگین و انشا نے کوئی مضمون نہیں چھوڑا۔

جمشید کا پیالہ میری فکر ہے ہوا — مضمون آئینہ کیا سارے جہان کا

گھر کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے لیکر باہر کی بڑی سے بڑی بات موزوں اور محفوظ کر دی۔ جان صاحب کا زمانہ گیا۔ رنگ بدل گیا فضا بدل گئی بلکہ اب دنیا ہی نئی ہو گئی بیگم نے بھی اس تبدیلی سے متاثر ہو کر ریختی میں جدت پیدا کی۔ بیگم کی وہ طویل نظم دیکھئے جو اُردو کی ابتدا کے متعلق ہے۔ کس قدر سلیس اور عمدہ ہے۔ اسی طرح خیالات میں بھی جدت پیدا ہوتی گئی۔

پھر ہوئی ہیں عورتوں پر جو تھوڑا تھوڑا ظلم — کونسلوں میں جبکہ لی خانم نہیں بیگم نہیں
ہاتھ میں جنکے قلم ہے بات میں جن کی اثر — اب ہوا وہ عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں
بیویاں ہیں مری لیکن اُنکی مجلس ہی تو ہو — چند تصویریں ہیں حیران ورنہ کوئی البم نہیں
قطرے میں تھا انسان پڑا بیٹھا جس دم — روتا ہوا جب گود میں آیا تو بشر تھا
الٰہی خیر انکی جانکی ہو ایک مدت ہے — نہ وہ آئے نہ خط بھیجا نہ کوئی انکا تار آیا

شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد یوسف جعفری کلکتہ یونیورسٹی کے عربی و فارسی کے لکچرار اور بورڈ آف اگزامنر کے چیف مولوی عظیم آباد پٹنہ کے عالم و فاضل بزرگ تھے، تفنن طبع کے طور پر ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر بالکل آج کل کے رنگ میں رنگی ہوئی۔

غرض سرمہ لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے
ہوئی خاصی فرنگن انگریزی تعلیم پانے سے

اگر ریختی باقی رہی اور زمانۂ حال کے شعراء دلچسپی لیں تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ ماحول کے اثرات پڑیں گے۔

ہم نے ریختی کی وکالت کا بیڑا ہی اٹھایا ہے اور نہ ہمیں ریختی سے خواہ مخواہ کی ہمدردی ہے جو ہم اصناف سخن میں ریختی کو سب سے اچھی چیز ثابت کریں۔ ہم ریختی گوئی کو غزل گوئی کی مماثل قرار دینا چاہتے ہیں نہ مرثیہ کے درجہ تک پہنچانے کے آرزومند ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ریختی کو دیکھا جائے اسے پڑھا جائے اور اردو ادب سے جو اسے حرف غلط کی طرح مٹایا گیا ہے اس کی تلافی کی جائے اور ادبیات میں اسے کوئی نہ کوئی درجہ دیا جائے۔ چاہے آپ اسے ظریفانہ شاعری کے ساتھ جگہ دیں یا کسی اور صنف میں مگر اس کے لئے جگہ ضرور نکالئے۔

ادب اور اخلاق دو بالکل جدا گانہ چیزیں ہیں۔ شعر کو ادب کی کسوٹی پر کسکر دیکھنا چاہئے اخلاق کی کسوٹی پر پرکھنا فضول ہے۔ ادب میں حیا و شرم بے حیائی اور فحش کا معیار اگر مقرر کر دیا جائے تو آپ کو مجبوراً بہترین ادبی شہ پارے تلف کر دینے پڑیں گے۔ عمدہ سے عمدہ کتابیں جلا دینی

پڑیں گی افسوس ہے کہ یوں ہی میری پریشان خیالی بہت طویل ہوگئی ہے ورنہ میں ضرور ادبیات میں شرم و حیا کے معیار پر کچھ لکھتا۔

تذکرہ پریس میں جاچکا تھا اور آدھی سے زیادہ طباعت بھی ہوچکی تھی کہ میں بخار میں مبتلا ہوگیا اور اب تک ہوں۔ اسی بخار کی حالت میں اس مقدمہ کو مکمل کیا ہے۔ آپ خیالات کی بے ترتیبی اور پریشان نگاری سے خود سمجھ جائیں گے کہ کسقدر "بوکھلاہٹ" میں یہ سطریں لکھی گئی ہیں۔

الملتمس

کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد دکن — تمکین کاظمی

۱۱ر جنوری ۱۹۳ء

فہرست

اشرف

ولی کے معاصر تھے' ان کے کلام پر بھی ریختی کا شبہ ہوتا ہے ۔

پیا بن ہیرے تیں بیراگ بہایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے

(طبقات الشعرائے ہند ص ۹۳)
(چمنستان شعرا قلمی) (رسالہ تجلی بابتہ اکتوبر سنہ ۶۲ء ص ۵۵)
(نکات الشعرا ص ۱۰۸)
(اردو شہ پارے جلد اول ص ۱۴۷ و ص ۱۴۸)

انشا

میر انشاء اللہ خاں نام انشا تخلص میر ماشاء اللہ خاں کے فرزند چونکہ ان کے والد خود شاعر اور عالم و فاضل تھے اس لئے انشا کی تعلیم و تربیت میں بھی اچھی طرح کوشش کی، انشا نے فارسی و عربی میں خاصی استعداد پیدا کر لی تھی، طبابت میں بھی خاصہ دخل تھا، فارسی اردو، عربی میں آسانی سے شعر کہتے تھے، مرشد آباد میں پیدا ہوئے وہیں ہوش سنبھالا، اور دلی جا کر شاہ عالم کے دربار میں منسلک ہو گئے، چند روز رہ کر لکھنؤ پہونچے اور مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں رسائی پیدا کی، پھر نواب سعادت علی خاں کے دربار سے تعلق پیدا کیا اور وہ ٹھاٹھ باندھا کہ نواب کو اپنا کلمہ پڑھا دیا۔

سنہ ۱۲۲۵ھ میں نواب سے ان بن ہو گئی خانہ نشین ہو گئے انہیں دنوں جوان بیٹا تعالیٰ اللہ خاں مر گیا آزادئ شاعر کو نظر بندی اور خانہ نشینی نہایت تکلیف دہ تھی مگر پھر بھی تقریباً آٹھ سال اسی حالت میں گزار کر محرم سنہ ۱۲۳۳ھ میں قید ہستی سے آزادی حاصل کی۔

کلیات مطبوعہ موجود ہے جس میں فارسی اردو کا مکمل دیوان ہے اور قصیدے، غزلیں، قطعے، مخمس، رباعیاں، پہیلیاں، چیستانیں، ہجویں، مثنویاں سبھی موجود ہیں، عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، پشتو، پنجابی، مرہٹی وغیرہ وغیرہ کتنی ہی زبانوں میں مصرعے اور اشعار مسلسل موزوں کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ہر ایک زبان تھوڑی تھوڑی جانتے ہونگے۔

اسی زمانے میں رنگین نے ریختی کہنی شروع کی گو آپ نے ابتداً

اُسے پسند نہیں اور دریائے لطافت میں یہ کہہ کر اپنی نفرت کا
ثبوت دیا کہ۔

"سب سے زیادہ ایک اور سنئے کہ سعادت یار طہماسپ کا بیٹا"
"انوری ریختہ آپ کو جانتا ہے، رنگین تخلص ہے ایک"
"قصہ کہا ہے۔ اس مثنوی کا نام دلپذیر رکھا ہے۔ رنڈیوں"
"کی بولی اس میں باندھی ہے۔ میر حسن پر زہر کھایا ہے"
"ہر چند اس مرحوم کو بھی شعور نہ تھا، بدر منیر کی مثنوی"
"نہیں لکھی گویا سانڈے کا تیل بیچتے ہیں، بھلا اس کو"
"شعر کہا کر کہئے۔ سارے لوگ دلی کے لکھنؤ کی رنڈی سے"
"لیکر مرد تک پڑھتے ہیں۔"

"چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی   کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی"

"سو بیچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ہے۔ کوئی"
"پوچھے بھائی تیرا باپ رسالہ دار مسلم لیکن بیچارہ برچھی"
"بھالے کا رکھنے والا، تیغے کا چلانے والا تھا تو ایسا قابل"
"کہاں سے آیا اور شہدپن جو بہت مزاج میں رنڈی بازی"
"سے آگیا ہے تو ریختے کے تئیں چھوڑ کر ایک "ریختی""
"ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں"
"پڑھ کر مشتاق ہوں۔ بھلا یہ کلام کیا ہے .... اور ایک"
"کتاب بنائی ہے جس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے"

مگر یہ نفرت قائم نہ رہ سکی چند ہی روز کے بعد خود حضرت نے میر حسن کے "شانڈے کے تیل" والے اشعار سے بھی زیادہ گئے گزرے شعر کہنے شروع کئے اور رنگین کی شہادین کی ریختیوں سے بھی زیادہ عریاں ریختیاں لکھیں حتیٰ ایں کہ ریختی میں دیوان مکمل کر لیا، رنگین کی ریختیوں پر ریختیاں کہیں اور اس رنگ میں بھی خاص شان پیدا کر لی۔

(تذکرہ گُلِ رعنا ص ۲۵۳ تا ۲۶۳، طبقات الشعرائے ہند ص ۲۰۱، شعراء الہند ص، سخن شعراء ص ۵۲ تا ۵۴، قطعۂ منتخب ص ۵ و ۶، نغمۂ عندلیب ص ۱۰، خمخانۂ جاوید جلد اول ص ۲۶۴، قاموس المشاہیر جلد اول ص ۱۱۱)

انتخاب ریختی انشا

جب سے کہ سامنا ہے اس چاہ کی گلی کا — ہے ورد مجھ کو حضرت مشکل کشا علی کا
مرجھا گیا دل اپنا تو نقشہ یاد آیا — بے اختیار مجھ کو اک پھول کی کلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہو نگوڑا تیرے سو ہلبلی کا
کیوں کر قدم رسولوں جا کر بھروں تہ چوکی — رکھیے جو آسرا تو ایسے بہا بلی کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے — جا سمیں کر اگر آئے تو قرآں کا

بندی کی دشمنی میں ناحق بچھا ہوں اتنی — لگ جائے ان کے منہ پر ازغیب کا تھپیڑا

چوٹی یہ تیری سانپ کی ہے لہر دوگانا — کھائی ہوں تیرے واسطے میں زہر دوگانا

بلبلی ٹھیکری اک ڈھونڈھ کے لا دے جس سے — اپنی رگڑا کروں میں پاؤں کی ایڑی نانا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن — کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا

تیری مہر گری پڑی نواری سے تھام اپنا — بیٹھی ہے اچھی اس پر تو کھدا لے نام اپنا

بھر آئی میری آنکھ تو انشا نے یہ کہا — لگتا ہے مجھ کو آنسو سے بہانا بہت برا

کسی کا باغ تو لوٹا نہیں ہے میں اپنے — گودی پھولوں سے بھری ہوں تو بھلا تجھ کو کیا
تو قیامت ہے مری ہی حد پڑا تیرا لگا — خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ یہ چوچلا

خط پٹیہ منہ کو ڈیلو ڈھی کے اوپر جا کوئی بوڑھا سا — انشا تو ہے ہنسا گٹا ہی یہ دوگانا بات گٹھ بیا
لہریں تو لی کے تیرے ڈر کے آ رہا ہانپیا — چونک چپ ٹک اٹھی ہاں ہوں میں تو نکلو کہہ کر شنا شنا
نوج یوں کوٹھے پہ آئیں اری بڑی آئی دلو — لوگ سب تکتے ہو تم نے جگائے ہانپ ہانپ

سیج پر تو ہی جو ہو تو بہار — چین مجھ کو نہیں کسی کروٹ
میری آنکھ چاپ یہ پوری ہاں کہ ان کی گویا — رات پالی ہم جوشن ہے اور ہوئی صبح

میں تیرے صدقے گئی اے میری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ

لگتی ہی چوٹ تو لگنے دے سوس اور ذری -
ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ

اپنا چونڈا نہ ہلا دُم نہ پھلا اے بلبل -
کہہ دیا میں نے نہیں تجھکو کہاں ری مت چیخ

کیوں میرا مغز پھراتی ہے اری بیتا چپ -
اڑ گئی دور بھی ہو جیسے گنواری مت چیخ

اے بُری دالی گئی گذری ہوئی باتیں نہ چھیڑ
تو چھتی کیوں ہے بھلا اس دل کے زخموں کے کھرنڈ

آپ کی گائن کی کیا تعریف کیجئے واہ واہ -
کوئی دھوبی گھاٹ پر جس روپ گاتا ہو وہ کھنڈ

بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آ تو کہو
آغا بینا نے سنائی اُسے یونہی آ و از

یو توں پھلتا تجھے اور دو دھوں نہانا ہو نصیب
بیاہ ہو سونے کے سہرے سے تیری عمر دراز

نہیں زیور کی کچھ بھبن پر غش

میں تو ہوں تیرے سادہ پن پہ غش
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے
سچ تو یہ ہے ہے یہ سارا حسن کا عالم غلط
اجی بی بی سیدانی صدقے گئی تھی
مجھے ہے تمہاری دعا کی توقع
بیگما چاہ بھی پہاڑ ہے ایک
اس میں اک ٹھنڈی سانس جھاڑ ہے ایک
اری بی ایک ہی عیار ہو تم
ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم
چھیڑ کی بات سوا اور نہیں۔
لینے لڑنے ہی پہ تیار ہو تم
انشا کی بات چیت میں جو چھیڑ چھاڑ ہے
سو لذت النسا میں کہیں ہے نہ کوک میں
بس کہیں چپکے بھی ہو ایسے کہیں توتے کروڑ
جیب میں میری بھری ہیں پولیاں اور ٹھولیاں
پانچے ڈھیلے قبائیں سب کی اب ٹھیک ٹھیک
اڑ گئے وہ لمبے دامن اور اونچی چولیاں
کچھ نہیں معلوم پوچھو کونسا میلا ہے آج
جاتیاں ہیں جو کھچا کھچ ڈولیوں پر ڈولیاں

کیا تیرے سر آ پڑے ہے چاروں کے چاروں الاماں
شاہ دریا، شیخ سدو، زین خاں، ننھے میاں

بس تیرے صدقہ نہ رکھ اے میری پیاری روزہ
بندی رکھ لیگی تیرے بدلے ہزاری روزہ

جو ہم کو چاہے اس کا خدا انت بھلا کرے
دودھوں نہلائے اور وہ پوتوں بھلا کرے

روٹھے ہوئے کو کس لئے جا کر منائیے
منت کسی نگوڑے کی اپنی بلا کرے

جو دل کی آرسی کو ہماری جلا کرے
اس کا کنول خدا کی طرف سے کھلا کرے

چھوا ہے کچھ نہ چھیڑا ہے کسی نے اب تلک انکو
ابھی سے بیگما جی نے بھلا کیوں منہ بگاڑا ہے

خدا ان کو اجاڑے بے لٹھ سے ان باغبانوں کو
جنہوں نے اس موئے بلبل کے گھونڈے کو اجاڑا ہے

میری بدی میں جو کوئی ہوئے
اس سے سمجھ لے تو ہی الٰہی

یوں لگی کوسنے چوپڑ میں چوہاری وہ پری
ستی ہو جائے دشمن مر تیرا راجہ جل جائے

رات بھر اپنا تڑپتا ہی رہا جی باجی!

اب تو نوبت بھی اٹھو اجی باجی یا جی!
اے تو اس کوٹھری میں میرے ڈرانے کے لئے
ایک عبا اوڑھ کے بن بیٹھے ہیں حاجی باجی!

چبھتی ہے یہ نگوڑی سلسل کی اوڑھنی
لا دے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی

کیا غضب ہے تیری چتون میں ہی آگ بھری
تو بھی کچھ قہر ہے اللہ ری بہاگ بھری

رباعی

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے
گھر میں میرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے
بیفائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانکا تو نہ کر عبث فضیحت ہوگی
آتو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
جا لیں یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق
ایک روز بڑی بھری فضیحت ہوگی

خط

خاں سوا لمکان سلمہ ربہٗ
آپ کو معلوم ہو بعد نیاز و سلام
فضل الٰہی سے یاں اور تو سب خیر ہے
کٹتی ہے اچھی طرح شکر ہے اسکا مدام
لیکن اجی کیا کہیں کہنے کے قابل نہیں
اب تو جدائی کے ہاتھ زیست ہوئی ہے حرام

دل میں تو ہوکے سے کچھ لگتے ہیں آٹھوں پہر
کوئی اسے کس طرح رکھے بھلا تھام تھام

روز جو وعدے کے تھے گنتے ہی گنتے انہیں
انگلیوں کے پوروے سوجھ گئے ہیں تمام

پردہ دوری کہیں بیچ سے اٹھ جائے جلد
پردہ نشینوں کی ہے اب یہ دعا صبح و شام

کرتے ہیں سب جو لیاں باغ تماشے کی سیر
ان میں تجھے رہتی اپنی ہی دھوم دھام

اس میں جو روتے ہوئے دیکھ کسی نے لیا
تو یہ بہانا کہ ہے رات سے ہم کو زکام

بیتیں ہیں انشا کی اور اپنی چھینچھی وہی
اس کے سوا ان دنوں کچھ نہیں بندی کو کام

مستزاد خماسی

میں پھاند کے کل رات جو دیوار نہ جاتی - کنڈی نہ ہلاتی - جا کر نہ جگاتی
نیند اُس کو نہ آتی - چتون کی وہ ماتی تیوری نہ ہلاتی
اور چٹکیوں میں میرے تئیں صبح اُڑاتی - ہاتھ نہ نچاتی - گاتی نہ بجاتی
کھانے کو نہ کھاتی پھر تو نہ بلاتی - سہیلی گاتی

(دیوان رنگین و انشا)

آشوب

یوسف علی خاں نام تھا علیگڈھ کے رہنے والے تھے چالیس سال پہلے نہایت زندہ دلی اور یار باشی سے گزران کرتے تھے۔ ریختی کا شوق تھا۔

رکھتے ہیں جو کہ چہل چھبیلا ازار بند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبتِ دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑجائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہی یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند
آشوب ان کو ڈر ہے کہیں نا قفل نہ جائے
اس واسطے وہ ڈالے ہیں ڈھیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اکدن بچا کر — کر بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے موئے کے — کوئی سالا ٹھٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا بھی لیرے لگے ہیں — بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

(تذکرہ خندہ گل صفحہ ۱۴ و ۱۵)

آشفتہ

عنبر شاہ خاں نام، رامپور وطن، عالم و فاضل شخص اور قائم چاند پوری کے شاگرد تھے۔ قدرت اللہ شوق سے فارسی میں تلمذ تھا۔ ۱۲۱۱ھ میں زندہ تھے۔ مراد آباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھیرے میں دفن ہوئے۔ ایک دیوان "تدقیق الخیال" اور ایک بیاض "ریاض عنبر" اردو میں اور ایک دیوان "تشریق الخیال" فارسی میں یادگار چھوڑ گئے۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔

شرارت تھی بھری ہر جالی کی اک اک بولی میں
ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں
کوئی نوج ایسے مسٹنڈے سے اپنے جی کو الجھائے
میری انگیا گئی ہوتی ابھی تو چاک ہو سوئی میں

"گلشن فیض، جوش ہوش، گلزار عنبر، اشراق الخیال، سویدائے عنبر نشاں، مینا و جوہر عنبر، ایدان الاوزان، نوادر المصادر، رقعات فارسی میں اور مراۃ الاصطلاحات مصطلحات میں، ریاض عنبر اور تدقیق الخیال فارسی اردو کے دو دواوین اور ایک بیاض ذکر شعرائے ہند و تخمیس چھوڑی۔ فارسی میں عنبر تخلص کرتے تھے۔" کبھی کبھی صاحب قران کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ "خمخانہ" میں انکی ریختی کا کوئی نمونہ نہیں ہے۔

(خمخانۂ جاوید جلد اول ص۲۶۔ تذکرہ تندہ گل ص۱۲۱)

بیگم

عابد مرزا نام، ریختے میں بیغم، اور ریختی میں بیگم تخلص کرتے ہیں آپ کے اجداد شیرواں سے آئے تھے اور کتاب خوانی کرتے تھے۔ بیگم کے والد کا نام حسین مرزا تھا اور نواب فخر محل و نواب خاص محل محلات عالیات واجد علیشاہ کی سرکار میں کتاب خوانی پر مامور تھے۔ بیگم ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے کلکتہ کے مٹیابرج میں واجد علیشاہ کے زیر سایہ پرورش پائی، بارہ تیرہ سال کی عمر سے ریختے کا شوق ہوا باپ سے چھپ چھپ کر شعر کہنے اور آغا حجو شرف کو دکھلانے لگے، ملک الدولہ کے پاس خانم جان کو ریختی پڑھتے سنا تو یہ شوق بھی چرایا، دیوان جان لیکر مطالعہ کیا اور ریختی بھی کہنی شروع کی، اور لگے مرزا علی بہادر گلشن الدولہ کو کلام دکھانے ۱۳۱۵ھ میں پٹنہ میں نواب لطف علیخاں کے بیٹے ابراہیم علیخاں نے ایک مشاعرہ کیا یہ بھی بلائے گئے تین دن رات مشاعرہ گرم رہا۔ بیگم نے دو رباعیاں پڑھ کر مشاعرہ میں دھوم مچادی۔

جاہل شاعر ہوئے پوربی کے سیٹھ　　اوروں کے کلام کو ٹکوں سے دبا بیٹھ
تیرے ہی لئے کہی گئی تھی یہ مثل　　رکھوا لیا جیٹ کے بھروسے پیٹ

دیگر

جو شاد تھا اس کے دل کو ناشاد کیا　　محفل کو مشاعرے کی برباد کیا
لکھوا کے جو دوسرے سے لایا تھا غزل　　آگے مجھ سے ہوئے نہ کیوں یاد کیا

دوسری رباعی سنکر حضرت شاد عظیم آبادی (خدا غریق رحمت کرے)

اور ان کے ساتھی بگڑ بیٹھے خوب خوب چوٹیں ہوئیں آخر میں مصالحت
بھی ہوگئی اور بیگم نے اپنی ریختی گوئی کی دھاک بٹھا دی۔ کلکتہ اجاڑ کر
عظیم آباد گئے تھے وہاں سے بھوپال کا چکر کاٹ کر حیدرآباد دکن آئے
نواب محبوب یار جنگ بہادر مرحوم کے توسط سے دربار حضور نظام میں
باریاب ہوئے حضور نے ریختی سنی بہت پسند فرمایا دو ہزار کا بھاری
تلوان ڈوپٹہ مرحمت فرمایا مگر حضرت فصیح الملک داغ نے بیگم کو بڑھنے
نہ دیا اور یہ بھی کچھ ایسے بگڑے کہ حیدرآباد کو چھوڑا نہیں اب تک موجود
ہیں، دبلے پتلے آدمی ہیں دو شادیاں کیں۔ ہز اکسی لنسی مہاراجہ
سر کشن پرشاد نواب سر سالار جنگ بہادر وغیرہ خبر لیتے رہتے ہیں۔
بیگم کے مزاج میں اب تک ظرافت باقی ہے قویٰ بہت گھٹ گئے
ہیں، کان جواب دے رہے ہیں، آنکھیں بھی کچھ کچھ ساتھ چھوڑ رہی
ہیں۔ ہوش و حواس بھی ذرا کھوئے جاتے ہیں، مگر طبیعت ہے کہ برق
بنی ہوئی ہے۔ ہمیشہ شعر سنانے تیار ہر وقت غزل کہنے آمادہ، خاکسار
کے کرم فرما ہیں جب ملتے ہیں کچھ نہ کچھ سناتے ہیں اب اپنا کلام ترتیب
دے رہے ہیں خدا کرے کہ جلد مرتب ہو کر شائع ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ
آجکل یہی ایک ریختی گو رہ گئے ہیں اور وہ بھی چراغ سحری، غدر کی
پیدائش بھلا کب تک جیئں گے، خدا انہیں دیوان شائع کرنے کی فرصت
دے۔

بیگم کے حیدرآباد آنے کے کچھ دنوں بعد مہاراجہ چندو لال بہادر کی

بارہ دری میں ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوا جس میں صاحب عالم مرزا خورشید عالم بہادر بھی شریک تھے دلّی اور لکھنؤ کی زبان کی بحث ہوئی بیگم نے لکھنؤ کی طرفداری میں زمین و آسماں سر پر اُٹھا لیا ایک طویل ریختی بھی لکھ دی یہ ریختی نہایت نفیس اور کار آمد ہے ملاحظہ ہو۔

سناتے ہو مجھے باتیں ہزاروں ۔۔۔ کہوں میں بھی جو کچھ اپنی زباں سے
تو اس دم کرکری ہو جائیگی بس ۔۔۔ سبھوں کے سامنے میرے بیاں سے
جسے کہتے ہیں اُردو ہے وہ لشکر ۔۔۔ سنی باتیں جو لشکر کی زباں سے
اسی کا نام اُردو ہو گیا ہے۔ ۔۔۔ کوئی منکر نہیں میرے بیاں سے
ہوئی جب چھاؤنی دہلی میں اے بی! ۔۔۔ وہاں لوگ آ گئے سارے جہاں سے
ہوا ہر قوم کے لوگوں کا مجمع ۔۔۔ کوئی کابل کوئی ما زندراں سے
عرب تھا کوئی اور کوئی عجم تھا ۔۔۔ کوئی شیراز کوئی شیرواں سے
جو کیں آپس میں ان لوگوں سے باتیں ۔۔۔ تو اُردو کی زباں نکلی یہاں سے
زباں یا سست سنجا بہو نا ہوا تھا ۔۔۔ کہ گرما گرم آیا ہو دکاں سے
نمک مرچیں ملی ہیں لکھنؤ میں ۔۔۔ کہ اب تک اُبال اٹھتی ہے زباں سے
وہ اُردو تھی کہ ایک لکڑی کا چھیلا ۔۔۔ نہ نکلے جسکے کانٹے باغباں سے
خراد الکھنؤ والوں نے اُس کو ۔۔۔ تمہیں کیوں فخر تم لائیں کہاں سے
مری جاں لکھنؤ والوں کے آگے ۔۔۔ بہت مشکل ہے کچھ کہنا زباں سے
نہ کہنا اب کبھی ہے اصل زباں ج اں ۔۔۔ ذرا للّو کو روکو اُس بیاں سے
میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں ۔۔۔ جواب اپنا کوئی لائے کہاں سے

یہ کہنا ہے بہت بے جا دوگانا! — کہ "اچھی ہو میں ہی سارے جہاں سے"
نہیں کرتا زمانے کا ہے دستور — ثنا اپنی کوئی اپنی زباں سے
ہے فَضَّلنا[1] بڑی رولی میں آیا — ذرا پوچھو میاں حافظ میاں سے
کیا خالق نے پیدا ایک پر ایک — سنا میں نے یہ آتوں کی زباں سے
زباں کے خاوند کی ہے جورو عورت — اگر ہو لکھنؤ کے بوستاں سے
زباں کے ملک کا سکہ ہے عورت — انوکھا ہے چلن سارے جہاں سے
زباں کا فیصلہ ہے عورتوں پر — یہ باتیں مردوے لائیں کہاں سے
زباں دانی ہو حصہ بیگموں کا — لڑائے کیا زباں کوئی زباں سے
نگوڑی سوت جل ککڑی کے ناتوں — بتنگ آئی بہت اب میں یہاں سے
یہ بیکاری بنی ہے سوت میری — نکلتی ہی نہیں میرے مکاں سے
وطن چھوڑا اسی شغل کے چلتے — دکن میں آئی میں ہندوستاں سے
چھوڑایا مجھ کو پیاروں سے اسی نے — چھپا کے منہ چلی آئی وہاں سے
موئی کو لاگ مجھ سے ہو گئی ہے — یہاں بھی آن لپٹی میری جاں سے
سند اس نے مجھے دی مفلسی کی — نتیجہ خوب نکلا امتحاں سے
غرض ہونا ہے جو ہو جائے مجھ پر — نہیں کچھ کہتی نہیں اپنی زباں سے
میری اب پرورش فرمائیں آصف — کنیزی میں ہوں میں دل سے جاں سے
تو میری مفلسی اس طرح بھاگے — کہ جیسے تیر چھوٹا ہے کماں سے

---

[1] فضلنا بعضکم علیٰ بعض کی طرف اشارہ ہے۔ (تمکین)

جو مجھ کو عرض کرنا تھا کیا بس
دعا بیگم یہ ہے دل سے زباں سے
بجے چاروں طرف آصف کا ڈنکا
خراج اُس کو ملے سارے جہاں سے

اس قصیدے نے دہلی اور لکھنؤ والوں میں ایک آگ لگا دی ایک کھلبلی مچ گئی حضور بندگان عالی نے ایک فرمان نافذ فرما کر رفع شر فرمایا۔
بیگم کی بخشی جاں صاحب سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بعض دفعہ تو جان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔

مرد سے تلوار کا کس دن نہیں دم خم نہیں — بل سے بیوی پہ تو ہو بندی کو اسکا غم نہیں
زال تو بیشک ہے تو بیٹا اگر رستم نہیں — یار دو دو جوروؤں کا اور کہیں خم نہیں
پھر موئی عورتوں پر جو ہو تھوڑا ہی ظلم — کونسلوں میں جب تجھی خانم نہیں بیگم نہیں
ہاتھ میں جن کے قلم ہے بات میں جن کی اثر — اسے بوہ وہ عورتیں بھی دو دن کم نہیں
ہو یاں بھیری لیکن ان کی مجلس کچی تو ہیچ — چند تصویریں ہیں حیراں اور کوئی ہمدم نہیں
جنگ سے بہتر ہے صلح بد سے بہتر نوج ہو لیا ملا ہے — کونسا دن ہے یہاں لڑ جھگڑ نہیں ماتم نہیں
کہہ دو ہمرا سے کبھی ہم آئیں گے محفل میں مری — وقت کے اپنے تجھے اسکندر نہیں وہ جم نہیں
دل کسی کو کیوں دیا لی ہاتھ ملتی ہو تو اب — جیتے جی جب تک اپنے پاس ہے جو کچھ کم نہیں
تیری باتوں کے میرے دل میں ہزاروں گھاؤ ہیں — اور پھر بخیہ نہیں ٹانکے نہیں مرہم نہیں
سوت بازی مجھ سے لیجائے خدا کی شان ہے — وہ ہے چھٹتی اگر میں بھی کچھ اس سے کم نہیں

---

(۱) [illegible]

یا رہیگی سوت گھر میں یا رہینگے آج ہم
اب تو دل میں ٹھان لی ہے وہ نہیں یا ہم نہیں
جانتے ہیں سب میں سلطنت کی ہوں کنیز　　کونسی محفل میں تیرا ذکر اے بیگم نہیں

جن کو معلوم ہے کرتب ہیں یہ جادو میرے　　بنکے ہمزاد وہی لوگ ہیں لاگو میرے[1]
نقش اس ڈھب کا ہی لا دو مجھے بدھو میرے　　اس کو زانو کو ملتے رہیں نت زانو میرے
ساتھ سبزہ کے رہی اب تو ہوا الو تیرا　　مجھ سے ملیں بن کے گرد آسماں اٹھو میرے
مردوے ڈولی کے ساتھ آئے فقیروں کی طرح　　یہ تو مجنوں سے سوا ہو گئے لاگو میرے
دیکھو اب بارہ اماموں کی قسم کھاتی ہوں　　لونگی ہیکل نہ کبھی دو وہی جگنو میرے
لے گئی جب سے مری سوت کی جوشن کنگن　　او ہی کیا ننگے بڑے لگتے ہیں بازو میرے
میں تو مفلس ہوں انہیں سے جہیتی تھی نکلی　　یار ہیں یا کہیں چھوڑے ہیں آلو میرے
ادھ موی ہو گئی ہوں ہائے اٹھاؤں کب تک　　اے دوگانا یہ خصم ہیں کہ بلا کو میرے
چھاتیاں نور کے دو قمقمے بنائیں اکثی　　رکھ لو حرم میں دوگانا جو یہ جگنو میرے
سوت تو جل گئی جل جل کے میں اب تک ہوں　　کیا تھا جو بھی سنینگے یہ دولہا جو میرے

جو خبر لیتے ہیں حال ہیں اس بیگم کی
یا الٰہی رہیں زندہ وہ کماؤ میرے

---

[2] سونا میرا آباد سدا سوت کا گھر تھا　　میں نے جو تمہیں دل دیا یہ اسکا ثمر تھا

---

[1] بیگم: یہ غزل اس وقت کہی تھی جبکہ مٹیا برج کلکتہ میں تھے۔ دیکھو گلدستۂ نتیجۂ سخن سلسلہ ثانی گنج کلکتہ ۱۳۰۰ (تمکین)

[2] مجلہ گلکدہ حیدر آباد دکن بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء سے منقول ہے (تمکین)

پہونچے نہ جہاں وہم وہاں تیرا گزر تھا
واری گئی تجھ پر تو ملک تھا کہ بشر تھا

قطرے میں تھا انسان پڑا پیٹ میں جس دم
روتا ہوا جب گود میں آیا تو بشر تھا

صدقے گئی اللہ نے پروان چڑھایا
سچ پوچھو تو یہ میری دعاؤں کا اثر تھا

برسات میں سمدھن بڑی تکلیف اٹھالی
تم کیوں نہیں آئیں اجی خالی میرا گھر تھا

میں جاتی ہوں میکے نہ رہی ہوں نہ رہونگی
اب تک جو دیا ساتھ یہ میرا ہی جگر تھا

کرلی تھی ادھر کان ادھر دیکھ رہی تھی
اے چھوکری اس وقت تیرا دھیان کدھر تھا

جھک مار کے پھر کیوں مجھے تم بیاہ کے لائے
رہنا ہی تمہیں گھر میں نہ منظور اگر تھا

معراج کی شب سنتی ہوں احمد بھی گئے تھے
تھا بیچ کا پردہ یہ ادھر تھے وہ ادھر تھا

ملنے کے لئے کل بہن گھر آئیں جو بیگم
کچھ نفع تمہارا تھا نہ کچھ میرا ضرر تھا

کھٹکتا ہے جو کانٹا سوت کا مشکل سے نکلیگا
نہ میرے دل سے نکلیگا نہ اسکے دل سے نکلیگا

ذرا چولیں اس کا سوا نے لی دیا دیکھتی کیا ہو
لیا ہے جیبھ بچے نے بڑی مشکل سے نکلیگا

بچہ ارہتا ہے گھر میں اس چڑیکٹ سے ڈر رہتا ہے
کسی کا کام کیونکر اس موئی کال سے نکلیگا

نہ ڈالیگی اری تھوڑا سا پانی چھوکری جھکنا
سالہ ہو گیا ہے ہنس کے کسی ہر سل سے نکلیگا

لکھا جو کچھ پڑھا بی تجھ سے ہو تم بھی کہو آتو جی!
سبق مشکل بہت ہے کیسی فاضل سے نکلیگا

بلاؤنگی اسے شربت کے بدلے زہر کا پیالہ
بڑی ہی سخت جان ہے سوت ہم مشکل سے نکلیگا

اٹھا پردہ تو بی لیلیٰ کی عصمت کا یقین آیا
بہا مجنوں گھماں تہا مرد وا محمل سے نکلیگا

پڑھینگی ریختی بیگم تو اک تعریف کا نعرہ
کسی کے منہ سے نکلیگا کسی کے دل سے نکلیگا

آنکھ نرگس پہ جو ڈالی جائے گی　　شاخ پھر کوئی نکالی جائے گی
جاں اگر ہے جانے والی جائے گی　　بات تو ان کی نہ ٹالی جائے گی
آنکھ اُس جوبن پہ ڈالی جائے گی　　اچھی صورت دیکھی بھالی جائے گی
آہ میری یوں نہ خالی جائے گی　　سوت سر مونڈی نکالی جائے گی
ہائے کیا انگیا ہو ٹک ٹک سی درست　　یہ تو چھلکے سے اُڑا لی جائے گی
بھاگ جائے گی یہ جب ہو گی جواں　　چھوکری مجھ سے نہ پالی جائے گی
گو زباں بستہ ہیں مگر چھو سو نہ ہونٹ　　چھوٹ سب پانوں کی لالی جائے گی
اک ذرا سے گندے پانی کے لئے　　توبہ توبہ توڑ ڈالی جائے گی
آئے دن کا خرچ ہے سر پر میرے　　عید آئے گی دوالی جائے گی

یاد فرمائیں گے بیگم کو حضور
ریختی میری نہ خالی جائے گی

محبت کیا بھی پر یا ہو کہیں کیونکر قرار آیا　　روانہ ہو گئی جب روح قالب سے تو یار آیا
نہ کوئی دوستدار آیا نہ کوئی جاں نثار آیا　　اگر آیا بھی کوئی یار تو مطلب کا یار آیا
میری باندی نے باہر ہی سے باہر اسکو للکارا　　نگوڑی سوت کے گھر سے جو کوئی چوبدار آیا
الٰہی خیر اُن کی جان کی ہو ایک مدت سے　　نہ وہ آئے نہ خط بھیجا نہ کوئی انکا تار آیا
ابھی آیا ابھی اٹھکر چلا آکر دو ہی دم لے　　کبھی پیدل بھی آیا بھی تو گھوڑے پر سوار آیا
کہاں تھی رات کو چندو نہ اس گھر میں نہ اُس گھر میں (دگرہ)　　تیرا عاشق تجھے دونوں جگہ جا کر پکار آیا

اری بیگم میری پاپوش جائے سوت کے گھر میں
سواری میرے دروازے پہ کیوں لیکر کہار آیا

وہ ہیں ہم جیس ہیں اور بغیر ہی جاتا ہیاں پھیری — یہ ساون کا مہینہ اور یہ انگڑائیاں پھیری
جس سے وہ ہو بیٹھے بس جل گیا میں کیا ان ابا پھیری — کلیجہ تھام لو بیا ہو سنو تم داستاں پھیری
وہ مجھکو چاہتی ہیں ہیں ہائی پھر جانتی ہو — آدہر بیٹا کیاں ان کی ادہر بیٹا کیاں پھیری
گری بجلی الٰہی ایسی سادی کا رہا اے لی — کہنا لی ہیں تھی ڈال کھیں بالیاں پھیری
جونک سکتی ہو اچھا اسکول سے بیا کرلی ہو — ہیں ہمیا ہو گی ہیں یہ طبیعت ہے حولاں پھیری
بکر باڑی کوئی بڑی ہی بحث کا بات چھوڑ دی ہی یا — ہوئی جاتی ہیں ٹھنڈی دیکھو پھر ادھر پائیں پھیری
تمہیں غم سے ہو کو شادی ہی تیری شان کو صدقے! — ہیں تڑپتی ہو وہ خوش ہو لی ہو شکر انا پھیری
کیا ہو یاد کسنے کون ہو وہ جا بیٹھے والا — ہیں وہ کیسی نہیں کہتی آنکھی تجلیاں پھیری
کیا میں اور کیا یہ شادی کا دربار ایسا ہی سلیم اق — کہاں ہو گئی لائی دیکھئے قسمت تمہاری
مہاراجہ بہادر رہتی دنیا تک ہیں قائم — سروں کیا شکر انکا ادا ہو گو یا زباں پھیری

معراج

آج کی رات تجھکو ہولی راج کی رات — جانتے کیا نہیں تم آج ہی معراج کی رات
صبح کو رکھو گی مرزا میں ہزاری روزہ — ابھی وہ بات نہ ہوگی کبھی آج کی رات
خاک ہی شاعروں کی یاد ان کی ہیگم پہ تیر — جیسے جاؤ تو دھوتی بکھرے مجھے بس کے مگر
جا کروگی ہیں تیری آنکھوں میں ہی پینگر — خاکساران جہاں را بحقارت منگر

تو ہوالی کہ درین گرد سوارے باشد

حضور بندگان عالی کے مطلع پر مصرع

صاف کھلتا نہیں کیا شئی ہے تیری شیشی میں — اسے ہیں تصدق کی دیکھو تو زرتشتی لیا
چھلکے لاکن نے کہا مجھ سے ادہر ہی شیشی میں — میں گل رنگ کی ہے جلوہ گری شیشی میں

پری

پری تخلص چھمن نام دہلی کے رہنے والے تھے۔ صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا سے تلمذ تھا۔ ریختی میں مشاق تھے۔ چالیس برس قبل ان کی شاعری کی دھوم تھی۔

دنیا تمام روتے میرا اوپر فدا ہوئے   مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے
اب تو مردوے ہیں دغا باز بے وفا   اگلے تماش بین خدا جانے کیا ہوئے
دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں   در گور مردوے روزے قضا ہوئے

(گلستان سخن صفحہ ۱۶۴، سخن شعراء صفحہ ۷۸)

پکیلین

مولوی غلام مقبول خاں صدر امین ضلع میرٹھ مرحوم خلف مولوی غلام سبحان متخلص بہ تحسین صدر الصدور ڈھاکہ باشندہ ضلع میدنی پور سے لطیف اور مولف تذکرہ سخن شعراء کے دوستوں میں تھے۔ بیشتر ریختی کہتے تھے سنہ ۱۲۸۸ میں انتقال کیا۔

سخن شعراء میں چار شعر ریختہ کے ہیں مگر ذیل کا ریختی شعر خندۂ گل میں انہیں کے نام سے لکھا ہے۔

بوا کتنے مرجائی یہ مردوے ہیں   کوئی نوچ لیں ان کے نخرے اٹھائے

(سخن شعراء صفحہ ۹۰ نغمۂ جاوید جلد دوم صفحہ ۱۲۸ تذکرہ خندۂ گل صفحہ ۱۲،۱۳،۱۲)

ثریا

جمعیت علی نام، جھجر ضلع رہتک وطن تھا غدر سے پہلے حیات تھے خوش وضع سپاہی منش بزرگ تھے۔ جان صاحب کو سن کر ریختی کہنی شروع کی تھی خوب کہتے تھے۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمہ کی کس کو دھن نہیں۔
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ بختی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے ــ میری سوتن کے الٰہی یونہی آ گے آئے
دن گذارا تھا جہاں شب کو بھی رہ جاتے ہیں ــ ہائے تو کاٹنے کیوں رات کو بھاگے آئے
شام سے سو رہو منہ پھیر کے مُردوں کی طرح ــ آئے تو گھر میں کوئی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچتا لاڈو تو نہ زنہار کہیں ــ کنواریاں خود تو بسانی نہیں گھر بار کہیں
اُن کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھر ہی اُنکا ــ مجھ کو کیا کام ہی جائے میری بیزار کہیں
آج کل کنواریاں بیگم بڑی چنچل سی ہیں ــ سنگنی ہوتی ہی کہیں تم میں اقرار کہیں
دن کو ہر کام میں کیوں اُونگھتی ہی پھر ماما ــ رات بھر جاگی نہیں ہی تو یہ مُردار کہیں

ماما کا ہے کو بہکتی ہی یہ اچھی خاصی ــ تجھ کو کر وائیگی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہر جائی ہی ــ ڈھونڈ ہ لے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سُسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو ــ مار اچھی کو مری موت آ سے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں ــ میرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

(خندۂ گل، صـ ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۱)

جانؔ صاحب

میر یار علی نام جانؔ تخلص باپ کا نام میر امّن تھا فرخ آباد میں ۱۲۳۳ھ میں
پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں لکھنؤ گئے، نواب عاشور علیخاں بہادر کو کلام دکھانے
لگے آخر عمر میں رامپور جا رہے اور تریسٹھ سال کی عمر میں (۱۲۹۶ھ میں)
وہیں مدفون ہوئے۔ سنا ہے کہ ریختی بنا بنا کر پڑھتے تھے۔ ریختی کو مکمل کرنے
اور اس میں ہر قسم کے مضامین پیدا کرنے کا فخر جانؔ صاحب ہی کو حاصل
ہے اگر انہیں ریختی کا "شاعرِ اعظم" کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ کلام
اس قدر مقبول ہوا کہ جان صاحب کے حالات کہیں نہ ملینگے مگر کلام ہر جگہ مل جائیگا
شاید ہی کوئی اردو داں ایسا ہو جس کے پاس دیوانِ جانؔ نہ ہو۔ میرے
پاس چھ نسخے دیوانِ جان کے موجود ہیں جن میں سے دو تو نظامی پریس
بدایوں کے چھپے ہوئے ہیں اور بقیہ لکھنؤ، کانپور، حیدرآباد وغیرہ کے
سرسری طور پر چند شعر انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

گلستانِ سخن ص ۱۸۵، قطعۂ منتخب ص ۳۶
نغمۂ عندلیب ص ۲۶، سخن شعراء ص ۹۹ تا ۱۰۱۔
خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۰۱، طبقات الشعراء
ص ۲۳۳

قاموس المشاہیر جلد اول ص ۲۶۶

انتخاب کلام حجاب نصاحب

شان میں اللہ کے مطلع ہو وہ دیوان کا
جیسے بسم اللہ دیباچہ ہے ہوا قرآن کا

ذکر ہر مصرع میں آیا ہے خدا کی شان کا
لو کہو بیت اللہ مطلع ہو میرے دیوان کا

حسن مطلع اس کا آگے نور ہی کا صفحہ ہے
قول بیشک سچ ہے یہ پیر محمد جان کا

بولا کاغذ سے قلم یہ قطعہ جب لکھنے لگی
رعب ہے حرفوں کے دل ڈر جا ہے انسان کا

حیدری خانم خدا کے شیر کی تعریف میں
شعر جو ہی شعر ہے وہ کلک کے سید ان کا

وصف میں بی بی کی جو ہے جو دو مصرعے کہیں
ہو گیا پر نور وہ مطلع میرے دیوان کا

مدح میں بارہ اماموں کی کہو بارہ جو شعر
عرش پر ہو ذکر اس بارہ دری کی شان کا

بیت اہل بیت کی تعریف میں جس دم پڑھی
آئینہ ہی آئینہ دل ہو گیا انسان کا

پانچ باری جب میں بولی پانچ وہ یاد آگئے
میری آنکھوں نے جو پنجاب سے دعویٰ کیا

کیا سنہ ہے سنہ چڑھائے کوئی اس زبان کا
کس مرد کو علم ہو میرے بیان کا

مردوں میں اسے بیمار کرتی ہو چھوڑا ہیں
دیکھا نہ سنہ زبان کی قینچی نے سان کا

جمشید کا پیالہ میری فکر سے ہوا
مضمون آئینہ کیا سارے جہان کا

چوری ہوئی پتا نہیں ملتا ہے مال کا
گھر گھر گلا کروں گی ابھی کوتوال کا

زیب النسا کی طرح میں کہتی ہوں وہ غزل
مردوں سے ہو جواب نہ میرے سوال کا

سوتے میں آیا جو جن سے تخیل کے ذہن میں
گھٹا ہو انصیب نہ جنکو خیال کا

ہمسائی بہن سے کی قسم آ کے خود وہ
گونڈا اکریں گی جسے کو سید جلال کا

اللہ کی قسم آج تنہا تھا میں آگیا
سو سمجھا تا جاگتی لوبت کا ہی گونڈا کیا

خدا درد دل کے مارے مرتی ہو کیا [illegible]
کیا تجھ لوا تمہیں نہیں آتا ہے فال کا

سرپھوڑ کر لہو کی بہاؤں گی ندیاں
ایسا نکھٹو پلے سے میرے بندھا ہوا!
وہ جان صاحب آئی ہے ریختی کی دھوم
پھبتی کہوں چراغ بٹے کی ہے جو بیچ میں
ہوئی تھی تجھ کو عید سمندر میں اس گھڑی
جو چاہیں اپنا زور یہ لاہوریں کریں
مستی خراب ہوتی ہے کوکا تو ڈھونڈ لا
پھل دینی بہائی سے بھی نہ تجھ کو ملا بہار
وہ دل درگور جنیاں کے تھی جو نام الفت کا
خصم وہ جورو کا اسے ہوا جو پیدا کیا ہے
لگا بیٹھا ہے جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے
کٹا ہے صبح سے رو رو کے یہ دل شتا فرنگ شکن
بدل کے آنکھ طوطے کی طرح ٹیں ٹیں لگا کرنے
اگر دوزخ نہ ہوتا قدر کرتا کون جنت کی
نہ مانو پھر کسم بچی کے حق میں کانٹے بوئے ہو
بڑھائی کیوں زلیخا سو ہوئی رضائے یوسف کو
کلوارنی یہ مرتا ہے تف اسکی ریش پر
آتا خدا اسکے گھر میں جو ہوتا ہمارا دخل
ساتھ رہتا ہر سدا تم کے وہ سایہ کی طرح

گر بال بیکا ہوگا ابھی میرے لال کا
الٹا پڑا ہے جھگڑا اگلے روٹی دال کا
سنسار میں جیسے شہرہ ہو جھالنیاں کا
محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
ٹھہرا جہاز جب کوئی ٹاپو نظر پڑا
کمے میں اب تک ایک نہ ہندو نظر پڑا
سوسن کو طاق میں نہیں بازو نظر پڑا
دنیا میں ایسا کوئی نہ لاگو نظر پڑا
کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
بری جس سے کریگا سامنے ہوئیگا ذلت کا
کہیں نشاط کر سیقا مر اب سحری کی نیت کا
اٹھی جب سے کے سنہ دیکھا عجب کمبخت راحت کا
اٹھ رہے دنیا سے جلدی تا ہی ایسے مروت کا
ہے اندیشہ سوصر کی شامت ہے ہو جائم کی سخاوت کا
نہیں یہ وقت ہی اب ایسا کہ جاتا ہے صفا مروت کا
کیا خانہ خراب اس کو دکھایا کوچہ الفت کا
قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
پانی کے بدلے پینے پیتا شراب کا
عشق ہوتا تو وہ گود دلی کے برابر چلتا

دیتا خدا کی ہے رزّاق ہی سو دی میرا　　خرچہ اس بندی کا کیا وہی ہی اس پر چلتا
پنجتن پاک کی ہو آس مجھے اے باجی　　جنکے صدقے میں ہے سارا ہی تیرا چلتا
جان صاحب جسے کہتی ہیں سب نیکی بدی　　ریختی سچ مچ تری پانسا ہی یہ رمال کا
اجڑا ہوا آبادی کا جب گھر نظر آیا　　رونے لگی ہیں دیکھ کے جی میرا بھر آیا
کل رات کو خفت جو اٹھائی تھی وہ کیا تھا　　کچھ کھا کے دوا آج دکھانے اثر آیا
دل شیر ہوا میرا کہ میکے میں اب آئی　　ڈولی میں سنا میں نے جو رستم نگر آیا
پریوں کا طبق چھوڑو ننگی دیوانی ہو جاؤ　　کچھ کھوٹ ہی جو خواب میں دربار نظر آیا
پکا نہ تھا کچا تھا وہ جن اے پری خانم　　کل سر پہ چڑھا آج نگوڑا اتر آیا
اے جان کبھی تھا وہ میرے حسن کا عالم　　آنکھیں تو ہرن دیکھنے چیتا کمر آیا
بخار سایہ کا ہی تم کو اے پری خانم　　کبھی ہے آتا کبھی بیشتر نہیں آتا
ہمارے اس کی تو منت دیکھنے کی محبت ہے　　مہینوں لے لیوا وہ بیخبر نہیں آتا
کمر کا ہو وے جو مضبوط اور دکھائے مزا　　مجھے تو ان تنوں میں کوئی نظر نہیں آتا
گرگٹ کی طرح کالا کبھی لال ہو گیا　　غصہ سے مرد وے کا عجب حال ہو گیا
جو قدر دان اپنے تھے اے جان چل بسے　　جب تو ہمارا اندنوں یہ حال ہو گیا
آرزو بندی کی خالق سے ہے ایک نئی سوت　　کھا لئے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا
کھلتی ہی جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت　　سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا
اک پیٹ رہی ہمکو تو سو نخرے سے ہو پیدا　　مردوں میں تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا
اترا ہوا ہی چہرہ کل سے کمال تیرا　　جی ہے نڈھال تیرا کیا ہی یہ حال تیرا
گئی تھی دیکھنے باجی میں سورج گہن کا میلا　　ق　　بچی میں پستے پستے مردوں کا ہم ہوا ریلا

لگے دیکھے یہ دیکھا ایسے انگیا ہو گئی پرزے
مجھے کیسی سمجھ کر گھورتا تھا دیکھو سہیلی میں
یہ دل سوسن کے جیسے بھی رہا نہیں جاتا
خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ
حسن جاتا رہا یہ چھاتیوں کا روپیا پڑا
کوڑہ ان چھاتیوں سے ٹپکے اُسے جو پہنے
اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنائیں
چھپکے رہنے میں تھا حرام وہ کام
جاتا صاحب رہا وہ تنگ سدا
میں گری تو بھی گرا پاؤں نہ تیرا ٹوٹا
اسے گل اندام یہ خوشبو جو چلی آتی ہے
کیا لوں آئینہ کا تا وال پہ نجانم سے
کہاں گئی لوٹ جرا کر تو یہاں تنگ مارا
کہوں باجی اماں سے سر میرا ڈھونڈو
نہ کر رات کو کنگی سر میں تو اپنے
دیا پھولوں کا گہنا سوت کو یہ خار ہے مجھ کو
خدا نے باجی کو توم بر ان کے کیا پیدا
خوب بھر کا باندھا اس کو سوت نے
نوج کا طوفان پیرا ن بھاس میری

میری پتھر کی چھاتی تھی ستم میں نے جو یہ جھیلا
ہمیشوں باجی لڑکا میری گود میں جو کھیلا
گلا جو کرتی ہوں چاہت کا یہ مزا جاتا
یہ درد جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا
صدقہ اس عقل کے جیتے یہ بنائی انگیا
میں تو کوسوں گی میری جینے جڑائی انگیا
اپنے جو درد کو سوئے کترے قصائی انگیا
ایک دو بولوں سے حلال ہوا
جس کو حاصل کوئی کمال ہوا
تیرے دل کو تو کل آئی میرا ہو گیا ٹوٹا
شاید عطار کے کیوڑے کا قرابا ٹوٹا
چار پیسے کا موا شیشہ تھا ٹوٹا ٹوٹا
سر پہ باندی کے سیر پاؤں کا جوتا ٹوٹا
یہ تجھ سے نہ ہرگز دوا جان ہوگا
زنانی! بہت دل پریشان ہوگا
نہ کیوں دل پھول سا کملائے اب ہے نو بہار اپنا
بڑا ہر ایک سے رنبہ نہ کیوں سمجھاں چار اپنا
میں ہولی جب گرم ٹھنڈا ہو گیا
جس جگہ میں روئی دریا ہو گیا

خورشید کیا کہوں انہیں آنکھوں کے سامنے
والی یقین دل کو ہے گر جا سکا محل
کرتی ہو کنگھی چوٹی بڑھاپے میں سیکھا
لے آتے کی مولوی نے فضیلت کی لاگ سے
لے کے دل ہو گیا سگا نہ اپنا نکلا
بہوؤں میں تل ہی بھر مہتاب کی بھی پی کے سو
روئی بچھین میں جب سنتی ہوں طوفان آیا
ہر گھڑی سوت گر ستم ہیں بھولا مجھ کو
دلہا نے جب دلہن کو زناخی کیا سوار
گڑیا سنوار دونگی ازی بھیک مانگ کے
بی بی باندی ہنگئی اور باندی بی بی ہو گئی
صدقے خالق کی ہوا کیا نہیں خالق نے کیا
میں اُس کی گھڑی اُس کا ہوا سکے سامنے
چھلا جڑاؤ سونے کا دولہا کے سامنے
پیسہ کا برسنا اور وہ پینا شراب کا
پڑی ہیں سر میں تجھ میں ایسی کہ نہیج ہی جینے سے جل جلا
عشق جس دل سے کیا کیا کہو کیا کیا ہولا
دیکھ کے ایسی ہوئی آپ پہ عاشق مرزا
ایسا لہو زمانہ کا ایسا ہو گیا سفید

گرگٹ کی طرح رنگ زمانہ بدل گیا
ننھا سا لڑکا خواب میں کل بیٹ ملا گیا
رسی زناخی جل گئی لیکن نہ بل گیا
دق ہو کے مدرسے سے الٹا نکل گیا
جس سے کی دوستی دشمن ہی نگوڑا نکلا
چاند کی بیٹی میں خورشید تارا نکلا
ایڑیاں مکلے جہاں رگڑیں چشمہ نکلا
جان صاحب کبھی دل سے نہ یہ کانٹا نکلا
ہمجولیوں کے رونے سے کہرام ہو گیا
مشاطہ کہہ اودھر تو سرانجام ہو گیا
بیٹھے بیٹھے سے زناخی اکیلا نصیبا پھر گیا
خاک سے آگ سے پانی سے ہوا سے پیدا
لکھ پڑھ دیا زبانی بھی اقرار کر دیا
میں نے دلہن یہ دوشنی کو وار کر دیا
تھا کیا ہی عیش باغ میں جلسہ شراب کا
حالی اماں میری میں لوں نگا دو تھوڑا سا مجھکو بارا
غیر کی یاد میں سارا لوا کنبا بھولا
اپنا سب یہاں ستی کا بھی تماشا کھولا
دشمن ہوئے ہیں جو تھے میرے یہاں آشنا

ہو خیر دلہن دولہا کی ماتھا میرا ٹھنکا
گو ہر جو بنا رہا آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹا
کوٹھے پہ رہو آکے یہ دالان کرو ترک
میں اب ہی گلہ کیا کروں ہر بار تمہارا
دکھ ننھے نے سہے بھائی کو سکھ پال ملا
نامرد ہے نہ ہو روسیا اب تک خبر ہوا
اے جان تو جہاں رہا ایسا ہے سونا
بچی جو مری بیٹی تو داماد بہت رویا
دل میں کبھی کھٹکے کے احسان یہ کیا آئی
اجی کس پیار سے خانے میں مادہ کو بلاتا ہے
نہ کیوں ہاتھ نہ سنے کلیجہ ہو کہ کنگھی ور کرتی ہو
جو دل میں ہو وہ جورو سے تدبیر نہ کہنا
ہمزہ سے بھی ذہین ہے بیٹا کریم کا
ایک ایک نقطے پہ اچھی لڑتے ہیں مردوے
بی بی بنے تو جائیگی باندی بنے کی بو
دل لیکے یہ نہ دیگا سراسر کسی کو جو
یہ بدگمان ہے دل اس نگوڑے نے کھٹکا
بڑا جو باجی نے پھر دا اسپال آچکا
بچن یہ کہاں نہیں ... آئے نہ تا کی جاں

اچھا نہیں بی ٹوٹنا سہرے کی لڑی کا
عالم ہے سہرے رونے میں ساون کی جھڑی کا
بی بولنا منحوس ہے اس جہت کی کڑی کا
بے درد ہو بس دیکھ لیا پیار تمہارا
میرے سر ڈھکنے سے بہا کو بھی رومال ہوا
قربان اس حیا کے ہوا سال بھر ہوا
مشہور وہ محلہ بھی رستم نگر ہوا
مرنے پہ کھلی الفت ناشاد بہت رویا
روئے جو مجھے دیکھا داماد بہت رویا
تماشا دیکھو چھوڑ رخاں کبوتر کی تو غٹرغوں کا
بیری تو مانگ میں تل ہے تمہیں ہو بہو انکا
پائے گا خطا دیوے لے بیر نہ کہنا
سیپارہ پڑھ چکا ہے الف لام میم کا
محفل مشاعرے کی اکھاڑہ ہے نسیم کا
کیا ہوسند ہے جو بادلے سے پٹ نیم کا
بی اپنے دیدے گھٹنے کے آگے دھو پائیگا
لگایا میں نے جو سر موئے کا دل کھٹکا
کہ جسکی ماں نے سدا تھا سر سے کھو چکا
کہ میری ... فتح ... کی گو ... کا

جواں لڑکیاں مرتی ہیں ڈھیلے پانچوں پہ
دل کا آتا گورے جیٹھے پہ نہیں موقوف ہے
دور ہو یرقان نرگس کا بنفشہ کا بخار
وہ سونا پھٹ پڑے جس سے کر لوٹیں کا ان گوہر
تیرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے
گریہ کشتن روزا دل مردوں کی ہے مثل
دور ہے کبھی گر نہیں ہیں پاس دینگے لئے
بھڑوے لئے فیضو لیا کے آگے جا انصاف پڑھ
سوکن سے میری نکلی زمانہ کی احتیاج
ہزاروں لکھی پڑھی جائیگی جہنم میں
فارسی کے قافیوں سے ریختی کو کام کیا
بی اماں سن تو وہ ہو خاک شفاعت کی شبیہ
پھولا میں گل ہوا چھنے ہزار سرخ
فتنہ انگیز اور آفت شوخ
لڑکی دیدے کا ڈھل گیا پانی
بہالی بیٹی کے گھر کے پانی کو
ادھر آئی ہوا ادھر بھاگی
تیری ہیں روح کو صدمہ میری ہوگا مرزا
دل ہتھیلی پہ لگا بیٹھا ہوں ناز کا جو

ہے شوق بوڑھیوں کو سیانی کی کسا دیگا
اس کی ہیں عاشق ہوئی عاشق وہ جدا ہو گیا
ایک کو بخشو کھل دو ایک کو جلا لیت
پہن کر بالیاں کندن کی کیا کانکی صورت
اور رہ جاؤ لو آج کا دن آج کی رات
قرق تم جو رشید اب کرتے ہو آ بیٹھا بحث
اشرفی خانم بھو کا تو لے منہ دیکھا بحث
قدر کچھ کرتے نہیں ہیں ریختی کہنا عبث
ہوتی ہے اسکو روز نہانے کی احتیاج
کھلا تجھ ایسی بری کی ہے کس شمار میں روح
جان جب صفا ادھی کیا کہتے بھلا پان کی طرح
ہو گئے دانے ہیں آپ تسبیح کے سو بار سرخ
دیکھا نہ زیب سر ڈوپٹے کو زیادہ سرخ
پگی خیرات کی ہے قیامت شوخ
حرکتیں کرتی ہے نہایت شوخ
جانتی ہوں شراب کے مانند
ہے جوانی بھی خواب کے مانند
سوت کچھ لے یہ اگر ہوگی خفا پھر کیا
جیا نصاحب کو گھر کرنا نہ ذرا بیر سے جلد

جو کہ تقدیر کا لکھا تھا ہو وہ باجی
لکھے ہزاروں کہانی ہے جو لکھے تو جھے
دولھا خدا کے ہاتھ ہے کہاں تک میں بیچ
ساتھ سو پھولوں کے تم جاتے ہو جیتا پردیس
رنگین کی ریختی ہے سخن میرا ریختہ
دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ
نماز پڑھ پڑھ کے تو گنا ہے اپنے تو بہ لوا کیا
ہم دیکھ دولہا کو سانس رکی آ گئے گھونگٹ اٹھا اٹھا کر
سو اتارے سب کی نظر لے کر رکھ کے روٹی پیٹی کھا
ہوں میں تیرا پیا جو انوں کے گلے کا تیخی ہوں
آ نہ سکے ہیں تم جیسے بھی ہو
جانا ہے کہیں نہ رخصت ہو
کرتے بہت ہیں غیر کے کہنے پہ اعتراض
ہر کسی سے نہ اچھی جان بقول آتش
روشن کرو جو اس کو تو وہ کھانا جائیگی
پیروں والوں کے یہ گھر کی شادی ہے اسکے گھر
اسے جان دل میں شک ہوا اللہ دے مراد
رات دن تو وان دعا حق سے کرتی تھی جیتے
اٹھ کے اٹھا نہ کسی کو دیکھا سے باغ

کام آیا کوئی گنڈا نہ کسی کا تعویذ
نازک دوگانا جان کی ہے اس قدر مگر
کیوں باندھے باندھے پھرتی ہے تو دریا پر
رہنا ہوشیار ذرا بھائی ہیں تیرے باہر
نیت کو ذوق کیوں نہ ہو آ باجی تو ریز
لوٹے گھڑے پیڑ سے پینے پہ ننگے ہیں شہو ر پر
نہ جان ہندو یہ دیکھ دوگانا خدا خدا کر خدا خدا کر
تن تو بلی دولہن ہے بچی ابھی تو دو چار دن نبھا کر
اگر نہ مانو اٹھا کر تیوں کلام اپنا ابھی سنا کر
ایسا کبھی نہ کرتی جیسی کہ ہے کی دو چار سے نظر
آسیہ سنگ اسے جیسے سواری ساس
گالی دیے وقت سے پہنا ہے خواص
اپنا بیان سو جیسا ہے جان کم غلط
بات پڑھ جانی دیکھو ہی ہے تکرار لحاظ
چڑیل سے شیر کے منہ کی ڈھالے ہزار شمع
چھوٹے ہیں پھول چھوڑ رہی ہے زبان شمع
گل ہو گئی ہے مراد کی زر وتین باب شمع
ہے آنا بھیرا اس جگہ دشمن ہو حسن کا ہر باغ
باجی ہو بی بالا یہ تھا کہ جیسے کہ جانے باغ

تھرسی سرخ چاندنی خانم ہوئی سفید — کچھ سایہ ہو گیا اُسے چولہے میں جائے باغ
سنبل لسانا ختم ہی چوٹی کا گوندھنا — چوٹی کی موڑتی ہے میری نوبہار زلف
لاکھوں ہی مردوے تجھے دیتے ہیں نقد دل — اللہ ری کیا بڑا ہی تیرا اعتبار زلف
سنبل لسانا نہا کے نچوڑے جو تو نے بال — پانی کی بوندیں ہوتی ہیں اور ابر دار زلف
مشکل نہیں ہے شام برن یہ زمین کچھ — جوڑی کی طرح باندھوں جو کہ لاکھ بار زلف
گوٹے کناری سے نہیں تجھے ہی کرن سے شوق — کپڑا سفید بھاتا ہی اور سادہ پن سے شوق
جگنو نہ بازو بند علی بند سے نہ کام — زیور میں تجھ کو باجی ہی اک رتن سے شوق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو ممانی سچ ہے — اوہی کیا ہوئیگا جورو کا نگوڑا عاشق
مجنوں لیلی پہ سوا شیریں پہ فرہاد ہوا — جان حبّا ہوا کیا تجھ پہ انوکھا عاشق
حسن دریا ہے اسے بوا خضر رو — دل کی کشتی کا ناخدا ہے عشق
بتو لذت اٹھاؤگی آگے — اب تو نام خدا ہوا ہے عشق
لاکھ بھوتوں کا ایک بھوت ہے یہ — بچے جن سے بھی بس سوا ہے عشق
یہ حسن ہے میں گا یک مردوں کو خوب دیکھا — یوسف بنا رہے گا بی بی غلام تب تک
ڈولی کے پاس آگئے لگا کہنے اک سوا — احسان ہو چلو جو ہماری سکا تب تک
برسات کا ئی رو رو کے اس گھر میں آ بنے بوا — پانی تھا گھٹنے گھٹنے کہیں ان کان تک
شہر والوں کے آگے خاک سے جیسے — باجی اماں کسی گنوار کا رنگ
چھنیا تیرا لگے لگی چھنیا کلی میری — چھپتا نہیں ہے جو رکا بھی نہ نہلہ رنگ
کالا ہو یا کہ گورا پسند آئے دل کو جو — اس پر نثار کیجیے ستر ہزار رنگ

سنہ زرد آنکھیں لال کھچے کپڑے ہی اوس
ہوا شراف کے جو شش تکلیف سے کب
گیلے سوکھے دو تو جلتے ہیں بو اسکار ہیں
برسوں بچی کو نہیں پیار کبھو کرتے ہیں
لال پیلے مجھے غصہ سے دکھا کر دیے
ملا تھا ایک ہی لیلی کو اسے دو امجنوں
چولی کا بوجھ وہی اٹھائے جو یہ کمر
جیسا تمہارا نام ہوا ہے نہ ہووے گا
خدا نے ہاتھ دیئے ہیں بدن کھجانے کو
عجب طرح کے سخی دیکھے اس زمانے میں
دال آٹے کا سنو بھاؤ ہی دم کھلتا
کیسا ڈری ہوں رات کو آئیں جو خواب میں
جی سے بھاتے ہیں یا جی تمہارے ہاتھ پاؤ
اے دوگانا جان دیکھیں کسکی جھنڈی نوبت بجے
مری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چیتھڑ
بھٹیاریوں کی طرح خواصیں لڑیں ہیں آج
اے جان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب
تل ہیں مانگ میں زنانہ جی ـــــ کے
سمجھ صاحب گلے پڑی اے جان

عاشق کے بوجھنے کے ہوا ہیں یہ چار رنگ
رنگ میں لاکھ ہو چھپتی نہیں تلوار اصیل
بی اجالی نت رہے آنند بھیر بشر بہار ہیں
پیار بھی کرتے ہیں تو کان میں یہ ٹوکر لیں
کھانا پینا میرا کیوں آپ لہو کرتے ہیں
ہزاروں ایسے تو وحشی ہمارے پھرتے ہیں
ہوتا نہیں ہے اتنا بھی جو وہاں پان ہیں
اے جان کوئی لاکھ کہے اس زبان میں
خرابی پیسے کی ہے پشت کھا لیتے ہیں
نگوڑے سوہم کی پگڑی اتار لیتے ہیں
چاہنے والے ابھی تبک مجھ پہ جاتے ہیں
مجھ گوری گوری موتیں مجھ سے کالی کالیاں
گورے گورے ہنسنے ہنسنے پیار پیار ہاتھ پاؤں
سرخ ہوتا ہیں ہماری یا تمہاری ہاتھ پاؤں
بھیجتی ہوں کہاں چالی ہے یہ مردار کہیں
مرزا یہ سیر دیکھی کبھی عمر بھر نہیں۔
اوقات مجھ بخشی کی ہوتی بسر نہیں
یہ کہیا ہے کھڑا ہے گوکل ہیں
سر دھکا کیوں ہے کشمیری گوسل میں

حزیںؔ

تیس چالیس برس اُدھر ریختی کہا کرتے تھے، اور حالات نہ مل سکے۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے
سمدھن تمہارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے

ہوتی ہے بُری مکر کرو سیدھی طرح سے بات
گھوڑی پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے

سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی
آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے

سوکھا ہی اُس نے یار اُتارا رقیب کو
سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے

سمدھن حزیںؔ سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا
لائق تمہارے منہ کے کریرا کہار ہے

(خندۂ گل صفحہ ۱۹۹ و ۲۰۰)

خاکی

سید محمد قادری نام، بڈے صاحب عرف، ابن سید جمال اللہ قادری ولی کے معاصر اور دکنی بزرگ تھے، آپ کا دیوان نواب صدر یار جنگ بہادر (جناب شیروانی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے جو ۱۱۴۲ھ کا لکھا ہوا ہے اس دیوان میں ایک غزل ریختی بھی موجود ہے۔

اردو یا دکھنی میں سب سے پہلے عورت کی زبان نظم کرنے کا فخر خاکی ہی کو حاصل ہے اور موجودہ تحقیق کے لحاظ سے انہیں کو ریختی کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے۔

پیا بن اے سہیلی انجھوں سے کہ بہتی لہو ہو
کبھی میں منتشر گھبرا اندھار ا دیکھ روتی ہوں

کروں پیو سیں ظاہر لو سب دل سات سکیا
جنم سب ہجر میں غم کے تیرے تن تپت لو کھوتی ہوں

لو چاری عین ممکن ہو بلی جب دیکھ پا لاسو
بیٹھی سرکن ہو کی تب میں تنگ ہو ستا سوتی ہوں

رہوں میں کہاں تک جھڑی جلا کر دل انگیٹھی کرتی
کر اب غم کے پہاڑ و شیر جھلا ہے سر پہ ڈھوتی ہوں

رہوں کب لو ابتدا میں سے حبیب انتہا مجھ کو
فنا فی الشیخ ہو کر رہی بقا باللہ ہوتی ہوں

سجن کا درد کر لے کو محبت کے پو رشتہ میں
سدا میں ستلے شکیو نکوں اپنے پلک ہو پروتی ہوں

درخت عاشقی کوں میں فقر کے پھول لیتا ہو
نشان و نشکل دل میں اپنا او تخم عشق بوتی ہوں

کروں ممکن کہ ساقی کبھی سیر لدتی کا
چیلوں بات لے بیر کی لیوں سب اپنی سوغ دھوتی ہوں

مدد سوں شاہزادہ کی ترقی پا کے اے خاکی
کبھی وحدت کے دریا میں اپنے تن ڈبوتی ہوں

(سالنامہ رہبر دکن ۱۳۴۸ف حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء۔ گل رعنا صہ ۱۱ و صہ ۱۵۴)

خانم

عبداللہ خاں نام تھا۔ ریختے میں مختار اور ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے رام پور کے متوطن اور لوگوں کے شعر اپنے نام سے پڑھنے کے عادی تھے۔ ترتیب تذکرۂ سخن الشعراء کے وقت زندہ تھے اور مولف کے ملاقاتی تھے۔ بیگم صاحب فرماتے ہیں کہ خانم بڑے تاریخ داں تھے اور تاریخ کا مطالعہ نہایت اچھا تھا۔ فقیر منش آدمی تھے جو کچھ ملتا راہ خدا میں دے ڈالتے تھے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے بچوں کو بہت روپیہ دیا کرتے تھے۔ افیون اور شراب کے عادی تھے اور اپنے تئیں غالب کا شاگرد بتاتے تھے۔

کیا برے ہیں یہ جلے دل کے جلانے والے — اور یہ آگ ہیں آگ آئے لگانے والے
ہاتھ باندھا کرو مہندی نہ لگاؤ گی کبھی — پاؤں پڑ پڑ کے یہ ہیں رنگ جمانے والے
جاؤ گے ٹنڈیاں کسوا کے ذرا چھیڑو دیکھو — لو بڑے آئے مجھے ہاتھ لگانے والے
سر پہ اٹھا لو گے اس منہ سے زبردستی تم! — جوتیاں کھاتے ہیں ٹانگوں کی اٹھانے والے

کہنے سننے پہ کسی کے نہ تم آنا خانم
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

کہیں تم بھی چلا ہیں بھید میرا ان سے کہہ دینا — مری اچھی لوا یہ مرد مطلب کے ہوتے ہیں

(سخن شعراء صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳۔ مقدمہ دیوان جان صاحب صفحہ ۴۲ و ۴۳)

دوگانا

اسد اللہ نام علی جان عرف ابن منشی علی حیدر مرحوم ریختے میں سحر اور ریختی میں دوگانا تخلص کرتے تھے چھپرہ ضلع ہگلی میں رہتے تھے آبائی وطن دہلی تھا۔ مگر یہ چھپرہ میں پیدا ہوئے کلکتہ میں تعلیم پائی عبد الغفور نساخ سے تلمذ تھا، صاحب دیوان تھے۔ ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت زندہ تھے۔

رات کو ایک نگوڑے نٹ کھٹ نے صحن میں پاکے بے حجاب مجھے
چھاتیاں لیں گلے سے لپٹا کر پھر لیا زانوں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں کر کے چھوڑا نگر خراب مجھے

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے لاکھ صورت سے رہی بات بنائی ہوتی

(قطعہ منتخب ص ۳۲۳ و ۱۰۳۱)
(سخن الشعراء ۱۵۹ ص ۴۶)

رحیم

ولی اور رحمٰن کے معاصر تھے، "خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم" میں انہیں ریختی کا موجد لکھا ہے۔

اری ناداں میں اپنے سجن کو کیوں روٹھایا ہے　　رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچتائیگی میری نصیحت یاں کہتی ہوں　　سکی کو رات سوہی ہے پیاری کو جو بہایا ہے
تیرے سوں ہوئیگا تجھ مہرباں اور پیر ہوئیگا　　روٹھائے کو منائے بن تجھے کیسے سلایا ہے
کیا کچھ یا سمجھ اچھوں سیانی ہے سجن سوں مل　　رحیم اپنا کرم کر لے سوئیں نے تجھ بتایا ہے

(طبقات الشعرائے ہند صـــ ۹۵)
(شعرالہند حصہ دوم صـــ ۸۳)

رنگین

”سعادت یار خاں نام رنگین تخلص تھا ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ خاں توران سے آکر چند روز لاہور میں نواب حسن الملک میر منو خاں کی سرکار میں ملازم رہے اوس کے بعد دلی میں نواب ضابطہ خاں اور نواب نجف خاں وغیرہ امرائے دربار کے ساتھ تو بہت بہ نوبت آسودگی سے زندگی بسر کی“

”رنگین کی ولادت سرہند میں ہوئی مگر نشو و نما دلی میں پائی سپاہی کے بیٹے تھے شہسواری اور تیر اندازی میں خوب کمال پیدا کیا گھوڑوں کے پہچاننے اور ان کے معالجہ میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ شاہزادوں کی مصاحبت میں بسر ہوا کبھی کبھی تجارت کا شغل بھی کر لیتے تھے اسی تقریب میں لکھنؤ کئی بار آئے اور شاہزادہ سلیمان شکوہ کی سرکار میں عزت و احترام سے عرصہ تک رہے آخر عمر میں تجارت اور ملازمت سے سبکدوش ہو کر دلی میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور وہیں ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء میں اسّی برس کی عمر پا کر وفات پائی“

(گل رعنا صفحہ ۲۶۴ و صفحہ ۲۶۵)

رنگین اسم با مسمیٰ رنگین طبع اور عاشق مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے ریختی کی طرف توجہ کی چنانچہ اپنی ریختی کے دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

”بعد حمد رب العالمین اور نعت سید المرسلین ہوا خواہِ شعرائے نکتہ چیں سعادت یار خاں رنگین، عرض کرتا ہے کہ بیچ ایام جوانی کے یہ“

"نامہ سیاہ اکثر گاہ بیگاہ عرس شیطانی کہ عبارت ہے جس سے تماش بینی خانگیوں کی ہے کرتا تھا اور اس قوم میں ہر ایک فصیح کی تقریر پر دھیان دھرتا تھا، ہر گاہ چند مدت جو اس وضع پر اوقات بسر ہوئی تو اس عاصی کو ان کی اصطلاح اور محاوروں سے بہت خبر ہوئی، پس واسطے خوشی انہیں اشخاص عام، بلکہ خاص کی بولیوں کو ان کی زبان میں اس بے زبان ہیچمدان نے موزوں کرکے دیوان ترتیب دیا بقول شخصے "گندہ بروزہ یا خشکہ خوردن ہر چہ گندہ مگر ایجاد بندہ"۔

(دیباچہ دیوان ریختی رنگین انشا، ص ۱، ۲)

اس میدان میں وہ وہ جوہر دکھائے کہ ایک خاص طرز کے موجد کہلانے لگے چنانچہ تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ریختی ایجاد رنگین ہے۔ اور خود انہیں بھی یہی دعویٰ ہے' دراصل یہ صحیح نہیں ہے اس زمانہ میں ریختی عام ہو چکی تھی نہ صرف رنگین ہی "گندہ بروزہ یا خشکہ" کی ایجاد میں مصروف تھے بلکہ اور لوگ بھی کام کر رہے تھے چنانچہ محمد صدیق قیس، نواب امین الدولہ بہادر لائق وغیرہ کی اسی عہد کی ریختیاں موجود ہیں، ریختی کے دیوان کے علاوہ رنگین کی حسب ذیل تصنیفات موجود ہیں:

۱۔ دیوان ریختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۲۔ دیوان بیختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۳۔ دیوان آمیختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۴۔ دیوان انگیختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۵۔ مجموعۂ رنگین سنہ ۱۲۴۹ھ، ۶۔ مجالس رنگین سنہ ۱۲۴۹ھ، ۷۔ امتحان رنگین سنہ ۱۲۴۶ھ، ۸۔ اخبار رنگین

۱۲۴۹ھ۔ ۹۔ شش جہت رنگین (جس میں حسب ذیل چھ رسالے ہیں، ۱۔ ایجاد رنگین،
۲۔ عجائب و غرائب رنگین، ۳۔ داستان رنگین، ۴۔ چہار چمن رنگین،
۵۔ بیختہ رنگین، ۶۔ گلدستۂ رنگین) ۱۲۴۹ھ، ۱۰۔ نظم رنگین ۱۲۴۹ھ،
۱۱۔ خمسۂ رنگین ۱۲۴۹ھ، ۱۲۔ جنگ نامۂ رنگین ۱۲۴۸ھ، ۱۳۔ حکایت رنگین
۱۲۴۸ھ، ۱۴۔ نصاب رنگین ۱۲۴۸ھ، ۱۵۔ حکایات رنگین ۱۲۴۸ھ، ۱۶۔
سبع سیارۂ رنگین (حسب ذیل سات کتابوں کا مجموعہ ۱۔ تصنیفۂ رنگین،
۲۔ گلدستۂ رنگین، ۳۔ سبحۂ رنگین، ۴۔ رنگین نامہ، ۵۔ ساقی نامہ، ۶۔
تجربۂ رنگین، ۷۔ کلام رنگین) ۱۲۴۹ھ، ۱۷۔ فرس نامۂ رنگین ۱۲۴۵ھ،
۱۸۔ مجموعۂ رنگین کی چار تصنیفات کا (اس میں ۱۔ قوت الایمان، ۲۔
شیخ عبدالقادر جیلانی کے قصیدہ کا منظوم ترجمہ، ۳۔ قصیدہ بانت سعاد
کا منظوم ترجمہ، ۴۔ سودا کا قصیدہ رنگین کی اصلاح اور ترمیم کے ساتھ)
۱۲۴۳ھ، ۱۹۔ انتخاب مثنویات رنگین (اس میں دس مثنویاں ہیں) اس طرح
رنگین کے تصانیف کے (۳۴) جلدیں انڈیا آفس لائبریری لندن میں
موجود ہیں۔

(فہرست ہندوستانی مخطوطات انڈیا آفس مرتبہ بلوم ہارٹ)

(سخن شعرا ص ۱۹۴ تا ۱۹۶، قطعۂ منتخب ص ۳۴۳ و ۳۴۴، خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۱۹، طبقات شعرا
ص ۳۴۳، گلشن بے خار ص ۸۸، گلستان سخن ص ۴۴۳ تا ۴۴۴، نغمۂ عندلیب ص ۹۹ و ۱۰۰، گل رعنا
ص ۲۶۴ و ۲۶۶، شعرالہند، قاموس المشاہیر ص ۲۷۶)

انتخاب کلام رنگین

واری تیرے جاؤں میں خالق ہے تو خلقت کا
کب مجھ سے بیاں ذرہ ہوئے تیری قدرت کا

کچھ مجھکو گناہوں کا خطرہ نہیں محشر میں
چھوڑونگی نہیں دامن خاتون قیامت کا

تو وہ ہے جوان جسنے پھر کر کے زلیخا کو
یوسف کو کیا مفتوں اس چاند سی صورت کا

پہلو سے گئی واں تک تھا رابعہ ہی کو
یہ شوق دیا تونے کعبے کی زیارت کا

جو نوح کی بیٹی تھی تھا واعلہ نام اس کا
طوفاں میں کیا تونے سودا اسے لعنت کا

اور حضرت عیسیٰ کو بن باپ کیا پیدا
مریم کا ہے تیرا والی شاہد ہے تو عصمت کا

قربان ترے مجھ سے اور بیبی دوگانا سے
پھر عمر رہے رشتہ باہم یہ محبت کا

اب آئی کے پھر تجھ سے مانگوں ہوں دعا میں یا
بندی کو ترے ہوگا رنگین کی نہ چاہت کا

مجھ پہ طوفان نہ لے جاوے کا جل در ددوا
جھوٹ سے منہ کا ترے جائیگا اڑ نور دوا

ایک تو شکل ڈراتی ہے تیری ہیجاسی
تس پہ یوں پیار کے دیتے ہے مجھے بہت گھور دوا

پک گیا ہے ترے ہاتھوں سے کلیجہ میرا
تجھ کو دو دل جیلوں گر ہو مرا مقدور دوا

اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے
ترے تالو میں اٹھی کرے ناسور دوا

آٹھ آٹھ آنسو رولاتی ہے مجھے اسکی چاہ
روز و شب بہتی ہیں اشک آنکھوں سے جاری ہو کر تا

چلو چلیں تک صاحب سے جی لے ڈالا کہو تیں
دوگانا ہنسی ہنستا ہی تجھ سے ساون کا

کروں قربان میں پشواز کو جالی کی کرتی پر
دوگانا تجھ سے اٹھ سکتا نہیں

نکل جو سفلانی نے سی دیکھے مروڑی انگیا
کبھی تنگ آ بیٹھاؤں سے مروڑی انگیا

کچھ دم مارا میری خاطر سے اتنے نہ مار
میں نے تجھ سی چاہا تو دبالا کیا

تو ہنستی ہے اور ہی کہتی ہے دل جاتی ہوئیں
خوب سیاں نے نکال اپنے لیا دل کا بخار
رشتۂ الفت کو توڑوں کس طرح
لے ہیں کہتی ہوں کہ سر پیٹ کی ڈھونڈ کو کھسو
تسپہ ٹکرانی ہے مردار رہی شاباش رہی
تھا مجھے کو کام آٹھ پہر اس کی یاد سے
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن
کرتی جاتی کی مجھے بھاتی ہے ٹلکی پھلکی
جی میں اپنے اسے ناداں سمجھتی ہوں میں
تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں
دل کی میں سادی تھی کمبخت کہ اس سے اتنا
سارے قصے جہاں کے رہتی ہے چرچا ن
جب تلک ننھی تھی تب تک تو میں آتا جاتا
خیر سے اتنی بڑی ہو گئے اسے کیوں پہنچوں
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب
کوئی بیس کر خوب سی لال مرچیں
تیرے جی میں ہے آج گر ڈبیاں نکالوں
کہا تھا مجھے کل تجھے دو ٹکی جیٹھی
خدا جانے کہ ہاتھ پاؤں کس سے لڑی کو کا

بچھاڑیں جا دیے جیا ہر دم یہ دہلاتا تیرا
ہو گئی آج میری آنکھ کی صفائی الٹ کرت
عشق سے یہ سنہ کر سوڑوں کس طرح
نوچ نوچ اپنا قصہ شوق سے کر ڈالی کھینچ
تیرے سنہ سے ابھی نکلی ہی نہیں ساری کھینچ
جانے تھا کون اس دل نادان کا بھید
بن بن کے بیٹھی ہے بیچاری از ارشاد
کیوں پھر واسطے باجی نے سلائی پشواز
دل جیج رکھتی ہے اس عالم فانی کی ہوس
ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش لقش
نہ کیا جیسے اتو مال دل ایمان بیچ
ہے مگر مجھ کو مہر و ماہ کا شوق
ننھی منی سی بیٹی تھی یہ پیاری ہیکل
اب بنا دو تیرے لائق مجھے بھاری ہیکل
سنیکو یوں جی جیا ہے تو کو کھونٹ پہل ڈال
تیرے دونوں دیدوں میں بھر جائے آنول
سو تیرے گھر اپنے گھر جائے آتوں
کروں کیا جواب یوں مکر جاؤں
کہ اتنی چوٹ پاس کیسی ہی چکنا چور ہیں

دوا کھائی نہیں ہے گرم دالی کی تو بھی بتلا
ٹھنڈے سے کلیجہ کو کیا اس کے ہوا لوگو
میرے سفر کے نہیں اُڑا اُو نہ کپڑے
رات کو لیتی ہو رنگیں کا نام۔
یار دوآپ کو یا جیتو ... تجھے۔
تیرے صدقے گئی رنگین غزل اک اور کہو
ٹیس پیٹر وہیں اُٹھی اوی میری جان گئی
جس طرح سے رنگین کو لا جا کے یہاں تک
ستیا ناس ہوا سے چاہ تیرا
میری اور میری زناخی کے گھر پہ ٹونکا بیاہ
ہنڈیاں ہیں تجھے جو قیسی کی بنوائی ہیں یا
اتنا بڑا ہے سر ایک آتوں کی ناک پہ
آج اتنا تیرا نہیں کوئی سنگل تیرا لیے دوا
ریختی کہتی اچھی رنگین کا یہ ایجاد ہے
نکلا عید کا چاند جو گھر سے لشکر والا نکلا آج
مجھ کو روتا دیکھ کر بولی دوا آزاری نگھر
جب دوگانا باغ میں چلتی ہے میری ناز سے
مردوں کو جو کہا میں نے کہ ست تھا نکمی

دوا کیوں پھوٹتی ہے یہ تری نکسیر آئے دن
کچھ ان دنوں رہتی ہے دلگیر میری چھوچھو
سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہاں رہو
تم کچھ انا جی بلی سی ہو
کھیلتے مجھ سے جو بچی سی ہو
جلت اسنادہی تو میں تجھے پہچان گئی
مت ستا مجھ کو دوگانا تیرے قربان گئی
اس میں کیا مجھے کھانا یہ دم خوک ہے دالی
اب تو کیا کیا مجھے دکھلاتی ہے
آج سا حق ہے میرے گھر سے یہ کیا جاتی ہے
کھا گئی لو وہ چیرا کہ یہ فلالی ہانڈی
جتنی بڑی دوا میری انگلی کی پور کر
منہ سے نکلے ہے نہیں شرم سا کسو واسطے
منہ چڑھا آج ہوا اتنا جیا کسو واسطے
کیوں چھو[illegible] ایلی گھلی اوپر والا نکلا آج
تیری صدقے ہو کے میں جاؤں جی بہار نکھر
سر کو کہتی ہے نہیں ہٹ جا بلند آوازی
تو وہیں زہر کی پوڑیا کو دوا پھانک لی

رباعی

بس حسن چکی لو جی بس جی چپکے ہی رہو — اب کچھ نہ کہو جی بس جی چپکے ہی رہو
مجھ سے جتنے ہو تم مجھے ہے معلوم — بس چپکے رہو جی بس جی چپکے ہی رہو

رنگیں سے لیا تھا میں نے رو کر چھلا — دکھلاؤ نگی کیا سنہ اسے کھو کر چھلا
پاؤں جو وہ چھلا تو دو ابھی پھینک دوں — منت کا اٹھاتی ہوں تو دھو کر چھلا

قطعہ

رنگیں دیکھ تو عشق میں اپنے — تو نے مجھ کو کتنا پیسا
میں نے اب پہچانا تجھ کو — تو ہے ایک ارے چھتیسا

رات دن میں یہی کہتی ہوں کہ یاں — جس نے رنگیں کا کیا آنا بند
پانی پی پی کے یہ کوسوں گی اسے — ہووے یارب وہ زمیں کا پیوند

زباں ہے ریختی ایجاد رنگیں — اسی خاطر کہا کرتا تھا اکثر
سو انشا بھی اب کہنے لگا ہے — چہ خوش اس ریختی کے بھی ہو ہم

(دیوان رنگین و انشا)

رونق

سید محمد محسن نام تکیہ ضلع رائے بریلی وطن، عبد الباری آسی الدنی سے تلمذ ہے زمانۂ حال کے ریختی گو شاعر ہیں۔

لو وہ آتی ہے لو اماں کی بھڑکائی ہوئی
ہائے دیّا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

اسکے لوا میں کیا کروں شادی رچن کے لیے
میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہے گدرائی ہوئی

اسے ذرا چلنے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر
رکھی رہ جائیگی یہ ذرا سی جو رسوائی ہوئی

دولہا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو
باجی آج آپا ہیں کچھ جھینپی سی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد و صبا ایک دن
یہ تو بتلاؤ کہ کیوں پھرتی ہو شرمائی ہوئی

(خندۂ گل صفحہ ۴۴۳، ۴۴۵)

رنجور عظیم آبادی

کسی عظیم آباد کے رنجور مرحوم کی ایک ریختی غزل نیرنگ خیال نومبر سنہ ۱۹۲۹ء میں طبع ہوئی ہے یہ کوئی اپ ٹو ڈیٹ ریختی گو ہوں گے، کلام اچھا ہے احوالات معلوم نہ ہو سکے۔

غرض سر سے لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے
ہوئی خاصی فرنگن اختری تعلیم پانے سے

بوا فرصت نہیں ہے مجھ کو چنگی برح گانے سے
انہیں کے واسطے میں ہوں بنی سارنگی بجانے سے

بہن! بازار سے کیوں لا کر آٹا منگاتی ہو
تمہیں درکار جو ہو لو ہماری مودی خانے سے

زلیخا کی طرح کیوں مول لوں اک دردسر باجی
کوئی یوسف سہی ہیں باز آئی دل لگانے سے

عوض پاجامہ و شلوار کے میں کیوں لہنگا پہنوں
مجھے کیا نفع انگلش لیڈیوں کا سر چڑھانے سے

نہ بابا میں نہیں بیٹی دوگی مجھ بھی سمجھ جاؤ
پناہ اللہ کی اقبال مرزا کے گھرانے سے

کہاں ممکن کہ پی لی تو وہ نظروں سے چڑھ گئیں
وہ دکھلوا رہی ہیں پیار مرزا زچہ خانے سے

دیا جب پردہ نہ انستہ سوکن پیرا ماحی کو
تو اب کیا فائدہ اٹھے اصغری آنسو بہانے سے

بجا ہی تم نے اس قحبہ کو دیکھا بھی نہیں اب تک
ہٹو کیا فائدہ بیکار کی باتیں بنانے سے

کسی کی نوچ آنکھیں ہی مجھ سے ہو سیدانیاں
اسے ہی کام روز و شب بس اک ٹسوے بہانے سے

میاں رنجور یوں سو بار آئیں اپنی مرضی سے
مگر ممکن نہیں آیا کہ وہ آئیں بلانے سے

(نیرنگ خیال لاہور نومبر سنہ ۱۹۲۹ء ص ۴۴)

راحت

کوئی دہلی کے باشندے تھے ریختی خوب کہتے تھے حالات مل نہ سکے۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا   انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اسے   یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی   تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے ہوّا پھر گیا

دودھ پینے کا ارادہ تھا جو دوڑا یا نتھا   تو چلی انگیا میری دیکھو تو بندر کی بات
جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتی خیال   گھر تیرا آکر صاف کہے دیتے ہو تم باہر کی بات
گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں   نند کی باتیں سنوں ہر کہیں دیور کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں   مجھ کو تو بھی یہ بڈھاپے چونچلا بھاتا نہیں

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھ کو عصمت جان   غلام سے گئی بگڑی حشم میں تھو تیری

کہلا تو یوں تا ہوئی پوری آرزو تیری   دوگانا چاند سا بیٹا جنی بہو تیری

(خمخانۂ جاوید جلد سوم ص ۳۱۳)

صاحبقران

امام علی نام، سید غلام حسین رضوی کے بیٹے، بلگرام کے متوطن تھے۔ جرأت اور انشا کے ہمعصر، ریختی، ہزل، ظریفانہ، ہر رنگ میں کہتے تھے، صاحب دیوان تھے۔ آخر عمر میں لکھنؤ جا کر آصف الدولہ کے ملازم ہو گئے تھے۔

یہ اور چال سیکھی ہے کملو نے ان دنوں ۔۔۔ بازی جو دیکھی مات پیادہ بدل لیا
سنا کہ چکلے میں کہتی تھی ہر جوان سے ہیر ۔۔۔ زمانہ چاہا کیا جب تلک جمال رہا
دم بدم لڑتی ہے کشتی مجھ سے جو خم ٹھونک کر ۔۔۔ ریچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھ کو کر گیا
چھپکے جو کرتی تھی اس کو برملا کرنے لگی ۔۔۔ خوش ہوئی تھی تب جب اُن پاس سے شوہر گیا
آج صاحبقران کی آمد ہے ۔۔۔ چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا
جوبن کو نورتن کے یارو شتاب لوٹو ۔۔۔ آئی ہے حج یہ کر کے دوڑو ثواب لوٹو
سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو ۔۔۔ اب تو سو چوہے کھا کے بلی چلی ہے حج کو
چیتون غضب ہے نتھی کی ہے بے نشاں آنکھ ۔۔۔ چھوٹی سی سن میں اسکی بڑی ہے چنچال آنکھ
کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے ۔۔۔ میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے
جو پوچھا کہ صاحبقران سے ہے واقف ۔۔۔ تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا
کانوں کی اپنے بالی او میری بھولی بھالی ۔۔۔ ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی
باریک سا ڈوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں ۔۔۔ اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی
جو دیکھتا ہے سر کو تیرے یہ مارتا ہے ۔۔۔ ہونٹوں کی تیری لالی او میری بھولی بھالی
رات کہتی تھی گنا بخشی سے ۔۔۔ دل ترستا صاحبقران کا میرا

(قطعہ منتخب ص ۹۴ سخن شعرا ص ۲۷۲ طبقات الشعرا ہند ص ۳۷۲ تذکرہ گلزار ص ۲۹۵ تا ۳۰۱)

عاشق

میر یحییٰ نام، عاشق تخلص، مخاطب بہ نوازش علی خاں منصبدار
متوطن برہان پور۔ ان کے اشعار میں بعض ریختی نما شعر موجود ہیں۔

میں کہا تیرے بدن پر کیا بھلی لگتی ہے راکھ
ہنس کہا جوگی پسر نے خاک لگتی ہے بھلی

تیل کھا کھا کہ ہو رہی کیسی
دیکھو تیلن کو کیا بلی ہیگی

مخوش لگا لیٹنا سنارن کا
جس کے سونے میں بارہ بانی ہے

سلونے سجن تیرے کوچے منے
شب و روز عشاق کا شور ہے

دیکھ "دکھو کر" پٹھان کا لڑکا
صبر اور ہوش کھو کر آیا ہے

رزالا یار جب بولا میرا آنا روپیے پڑے
تو ہم بولے کہ منہ دیکھو پیٹے کے سوا آئے ہیں

(چمنستان شعراء قلمی، تذکرۂ فتح علی گردیزی قلمی)
(رسالہ تجلی بابتہ اکتوبر ص ۶۸ و ص ۶۹)
(رسالہ معارف بابتہ فروری ۱۹۲۸ء ص ۱۲۴)

عنقا بیگم

محمد محسن خاں نام محسن اور عنقا بیگم تخلص خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے متوطن اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اب ریٹائر ہو کر لکھنؤ سے وطن جا رہے ہیں۔ ریختی میں خاصی مہارت ہے ایک دیوان بھی طبع ہوا ہے جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے اپنے کلام کا موازنہ کیا ہے، لکھنؤ اور دہلی دونوں شہروں کے محاورات استعمال کرتے ہیں، فواحشات سے ایک حد تک اجتناب کرتے ہیں۔ جان صاحب کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ مگر وہ بات کہاں ہے!

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا ۔۔۔ راز سربستہ ہے وہ باجی در قرآن کا
ابن مریم تھا ثنا خواں باعث قرآن کا ۔۔۔ کیوں نہ ہو قرآن پر قربان دل انسان کا
پہلے نفرت تھی پر اب تو اس سے الفت ہو گئی ۔۔۔ ہو گیا یوسف بھی شیدائی زلیخا جان کا
رہنمائے راہ حق گوئیاں فقط قرآن ہے ۔۔۔ ہادی کامل ہے وہ اسلام کے ایمان کا
اس لئے عیسائی و مولائی ہیں شیدا اے محسن ۔۔۔ ذکر ہے انجیل میں توریت میں قرآن کا
چشم یکتائی سے دیکھو تم اگر مجھ پہ اُسے ۔۔۔ خالق اکبر ہی مطلب رام اور بھگوان کا

سراپا عصمت ہیں اور حیا ہیں ہے شرم باجی شعار اپنا
وہ بھڑوا نگاہی مسخرا ہی بنائیں ہم نوج یار اپنا

ہے پائے بناری کا ہی وہ لٹکا پھرے گا بھڑوا وہ کھٹکا کھٹکا
نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا
ملیگا پھر کب یہ وار گوئیاں وہ تیغ ابرو کی دھار گوئیاں
گرے نگوڑا سوار گوئیاں نہ چھوڑ داری شکار اپنا
بگاڑوں گی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پہ وبال گھر کا
کھلائیں رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر غبار اپنا
ہے آنے ڈولی کھلا ہوا بی امام باڑہ بھی کربلا بھی
نگوڑے لڑتے ہیں کیوں بوا جی حساب کرلیں کہار اپنا

بھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا
کیسا ٹھگا ہے نگوڑا باپ جینا رحمان کا
خاک لگا کیگا نگوڑا شیخ اپنی بزم میں
جانتا ہی کچھ نہیں کچھ راجواہی تان کا
جانتی ہیں سارا نہ گھر دولہا بیا چکلے کی خاک
خاک نکلے حوصلہ پھر حسرت ارمان کا
پاندان پھر تے کی مر پیا زنگی آج ہیں
سوت کا بھیجا ہوا کہا یا جو بیڑا پان کا
کیوں نہ رنجیدہ ہو محسن دو مہینے سے بوا
خط نہیں لاہور سے آیا اکلی جان کا

عجب بلا میں پھنسی ہوں گوئیاں میں اس نگوڑی سے دل لگا کر
یہ دونوں پھوٹیں جو آج سوئی ہوں میں پلک سے پلک لگا کر
کہاں ہیں ایام حیدری کے پڑی ہے گھر میں وہ شیخ جی کے
بلائیں گے ہم چراغ گھی کے ضرور مسجد میں آج جا کر

بلا کی شوخی زبان میں ہے ستم کا جادو بیان میں ہے
وہ سوہنی آن بان میں ہے کہ مار ڈالا لبھا لبھا کر
لگائے کیا کیا وزیر بیگم نگاہ خونی کے تیر بیگم
بنایا دل کو اسیر بیگم کمان ابرو چڑھا چڑھا کر
بگاڑتی کیوں ہے اپنا جوبن ہے چند روزہ ہوائے گلشن
نہ سرمہ مسی نہ پان ساقن ارے دوانی خدا خدا کر
نہ دل ہو کیوں کر کباب شب بھر شباب ہم کو غضب ہے شب بھر
پلاتی ہیں وہ شراب شب بھر سوئی چھپا لیں بلا بلا کر
بہار گلشن عیاں ہے اس میں ادائے بلبل نہاں ہے اس میں
وہ عشق بیگم زبان ہے اس میں کہ مار ڈالا لبھا لبھا کر
وہ الٹے الٹے سبق پڑھائے کہ مار ڈالا جلا جلا کر
بگاڑا کس نے ان کو باجی سکھا سکھا کر سکھا سکھا کر
بوا ہے بیگم ہے لکھنؤ کی بڑی ہے دھوم اسکی گفتگو کی
ذرا جو آنکھ اس سے دو بدو کی تو اس نے مارا جلا جلا کر
سگھڑ سیانی تو ہو کے جانی خراب کرتی ہے زندگانی
جوانی ہوتی تو ہے دیوانی مگر نہ یوں شرم بھول کھا کر
کہاں سے لائیگا دم ہوا وہ بڑا ہی دمساز ہی ہوا وہ
سراپا سلفہ ہوا ہوا وہ چرس نگوڑی اڑا اڑا کر

ہے دل میں حسرت کمال گوہر ہوں عاشق خستہ حال گوہر
ہوئی ہوں غم سے نڈھال گوہر دکھا دو گوئیاں جمال گوہر
حسین کیسی ہیں جوان بھی ہیں حسین یہ شاہی نشان بھی ہیں
ادائیں بانکی ہیں آن بھی ہیں ہیں وہ اری ان کو نہ ٹال گوہر
موئی نے پہلے کیا تھا ڈبٹی جو چھوٹا ڈبٹی تو نج سے لپٹی
کسی سے چپٹی کسی سے چمٹی ہوا ہے نیلم کا حال گوہر

جائے گا شیخ نگوڑا ہوا سیدھا ہو کر
شوخیاں کرتا ہے مجھ سے بوا کٹنا ہو کر
گری مغلانی کی بیٹی جو گہری سودا ہو کر
باز آتا نہیں دولہا میرا بوڑھا ہو کر
یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
پھولکی والی پہ ہوا مرتا ہے مرزا ہو کر
کیا کہوں کوکلا بیگم کی کہانی گوئیاں
پڑ گئی زاغ کے بس میں ہوئی عنقا ہو کر

پڑی نگوڑی چمار کے بس کمہار کے بس کہار کے بس
بکائے واحد ہزار کے بس مگر تھی ہر جائی یار کے بس
اٹھی یہ جیا جیا کے دن ہیں بیگم مرے گی سٹے کی ہوس میں بیگم
نہیں نشان ان کے بس ہیں بیگم وہ ہیں نگوڑی چمار کے بس
ہوا تھا گوہر سے پھر جھڑا کا ہے خام پارہ بڑی لڑاکا
کوئی نہ بندہ ہوا خدا کا ہوا ایسی بے شرم نار کے بس

ہوں نوج عیار یار ایسے نگوڑے بھک منگے شیخ جیسے
نہ نکلے ڈولی کے چار بیسے پڑی ظہور اکہار کے بس
نہ آئی چمپا کلی نہ مالا ہے کب سے چمپئی نگوڑی خالہ
ہمارا زیور رہتا ہی ڈالا ہو نوج کوئی سنار کے بس

لگی ہے تن کے چمن میں باجی یہ کس شمع رو کی پیاری آتش
وہ سلگی رہ رہ کے ہجر کی شب بنی ہیں ساری کی ساری آتش
وہ اٹھتا جوبن چڑھی جوانی ہوئی وہ مستانی اور دیوانی
بلا کے جوشوں پہ ہے بیٹھائی غضب کی رکھتی ہے ناری آتش
چڑھی حرارت جو کھا کے انڈے بلایا کسبی کو کر کے گنڈے
لگا کے تن بدن ہوئے جو ٹھنڈے تو مرزا جی کی سدھاری آتش

کریگا خاک سوا بے وفا وفا کا لحاظ نہ بوڑھی اماں کی جسکو ہو التجا کا لحاظ
کوئی تو بات ہے دولہا بشرم کی باجی جو کرتے رات کو دلہن سے ہیں بلا کا لحاظ
کریگا خاک سوا آنکھ اور ناک کی شرم نہ جس کی آنکھ میں مطلق ہو آشنا کا لحاظ
نہ چھوڑ دامن شیر خدا ابو اعنقا
کرینگے آپ وہ مشکل کشا دعا کا لحاظ
زنانی نگوڑی کی ہی فقط گھات کا لحاظ دلن کا لحاظ ہے نہ انہیں رات کا لحاظ
اولی باجی کوئی نوج کرے ایسے فعل کچھ تعویذ گنڈے سحر کرامات کا لحاظ

چھنے میں فصل گل کی رعایت بھی ہی ہوا — ٹھنڈی ہوا کا موسم برسات کا لحاظ
مانا کہ پردہ والی سے کچھ بات ہی نہیں — کیوں بات بات پر ہے مسمات کا لحاظ
افسوس تو یہی ہے کہ عنقا ہوا نہیں — محسن نگوڑے مارے کی کچھ بات کا لحاظ

دولہا بھائی گر پڑیں ٹھوکر لگے یا چوٹ آئے
کیوں نہیں رکھتی ہو دولہن تم پیں جلیں چراغ

دکھاوٹ سن گھڑی نہ ہو سن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
ہے چند روزہ یہ حسن و جوبن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
فراز کا ہے نشیب کا ہے ہوا یہ عالم فریب کا ہے
صدا ہے گھڑیال کی یہ ٹن ٹن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے

بات تو شیریں کی رکھلی تھی ہزاروں میں ہوا — گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی سیا فرہاد کا
روٹی حکمن نہیں بھڑ دے سی تو کیڑا کیا — چھوڑ دو جھگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا
شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے — دولہا بھائی سے مجھے آج تو پردہ کیا ہے
ہولی بیخود شرابی یاد آیا — ازی لینا ہوا گوہر چلا دل
مجھے بیوجہ پھر وا مارتا ہے — بڑا بیدرد یہ میرا مردوا ہے
دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے — وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے

(تذکرہ تبسم گل ص ۸۵ تا ص ۹۲، تذکرہ خندۂ گل ص ۲۷۹، ۳۱۳، ۳۸)

عشرت

کوئی گمنام ریختی گو تھے، مگر خوب کہتے تھے۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان نوجوانوں میں
تیرے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانوں میں

تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں چل ہٹ بھی
موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

حسیں بھی ہیں کڑے بھی ہیں مگر کچھ بدوضع ہوتے ہیں
یہاں تک عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

(خندۂ گل صفحہ ۳۳۳)

عصمت

امجد علیخاں نام حسین علیخاں لکھنوی شاگرد محمد علیخاں مسیحا کے فرزند ریختی عمدہ کہتے تھے، عصمت اور بیگم سے لکھنؤ میں مقابلے رہے ہیں انکی صحبت میں ہدایت بھی رہا کرتے تھے۔

جو مسی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے
بیٹھے گی کب بجھو سے یہ وہ ایک یار کے
بی! اتم نے کیوں کنوار بنے میں چبائی پان
مسولی سے دانت بن گئے دانے انار کے
نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے
کندن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نتیجہ اسے بوا اچھا نہیں مردوں کی صحبت کا
کھلے گا تو نہیں بعد گل اس عیش و عشرت کا
نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما
مگر کچھ پاس ہے تجھ کو بڑے بوڑھوں کی عزت کا
نگوڑی شیخنی نے آج افیون لیکے کھائی ہے
میں ڈرتی ہوں بوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر سے گھر سے دن دہاڑے آتی ہوں ورنہ
کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

(سخن شعرا صفحہ ۳۳۲)
(خندۂ گل صفحہ ۳۳۲ و صفحہ ۳۳۳)

فنا

شیخ باقر نام، کالپی وطن حافظ تخلص، مولوی عبدالکریم خاں، مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ ہمعصر ایک اساتذہ سے مشورہ کرتے تھے ریختی کا بھی شوق تھا۔ ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ اور مؤلف تذکرہ سخن شعرا کے ملاقاتی تھے۔

وہ در نایاب پہنے ہے جو سن آجکل
بار گوہر سے لچکتی ہے کلائی بار بار

اشرفی خانم کہونگی جا کے کندن لال سے
کل روپے سونا کو سنگوا کر دئے تھے گنیال سے

(سخن شعرا صفحہ ۳۷۲)
(خندۂ گل صفحہ ۳۴۳)

قیس

"محمد صدیق قیس ہمشیرزادۂ شیر محمد خاں ایمان تخلص، شعر نازک و"
"دلپسند بوضع خواجہ میر درد و میر تقی میر میگوید و مضامین دلچسپ"
"نو بنو رنگا رنگ می آرد از نزد مہاراجہ[1] بہادر دو روپیہ یومیہ و از"
"نزد امیر کبیر[2] دو روپیہ یومیہ روزمی یابد نہایت مرد خلیق خوش فکر"
"دریں دلا بمذاق کم کسے میرسد.......... صاحب دیوان"
"است کہ نام دیوان خود "پیشکار" داشتہ است"

(تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۵۴۴، ۵۵۵)

"........... آپ کا اصلی وطن حیدر آباد دکن ہے آپ کے"
"بزرگ اکثر سرکار عالی نظام میں وقائع نگاری اور اخبار گوئی کی"
"خدمت پر سرفراز تھے چنانچہ آپ کے نانا محمد عاقل نائک جیریں کے"
"افسر تھے اور آپ کے ماموں شیر محمد خاں ایمان اعظم الامراء"
"ارسطو جاہ بہادر کے مصاحب تھے اور شعرا میں استاد الشعراء"
"مشہور تھے آپ نے نشو و نما کے بعد سن شباب میں بقدر ضرورت"
"فارسی عربی پڑھ کے تحریر و تقریر کی استعداد حاصل کی اور"
"موروثی وقائع نگاری و تاریخ دانی کا کمال پیدا کیا۔ شعر گوئی کا"
"شروع کیا، کلام کی اصلاح ماموئے بزرگ سے لیا کی.........."

---

[1] مہاراجہ چندو لعل بہادر پیشکار دکن، [2] شمس الامراء بہادر امیر کبیر۔ (تمکین)

"آپ نے ایک دیوان ریختی شاہ جہاں آباد کی بیگمات کی بول چال میں"
"لکھا ہے فقیر مولف کو آپ کا دیوان ملا تھا.......... آخر ۱۲۲۳ھ میں"
"جاں بحق ہوئے"

(تذکرۂ شعرا دکن جلد دوم صفحہ (۹۴۱، ۹۴۲)

قیس کے کلیات میں (۱۴۱) سطری مسطر کے (۴۴) صفحات ریختی کے بھی موجود ہیں جس کے آغاز پر لکھا ہے۔

"منتخب دیوان ریختی قیس محاورۂ بیگمات شوخ محل بادشاہی شاہجہاں آباد"

معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے ریختی میں دیوان مکمل کر لیا تھا اور یہ کلام اس دیوان کا انتخاب ہے۔ قیس کی اکثر ریختیاں رنگین کی ریختیوں کے قافیہ اور ردیفیں ہیں۔ ایک دکھنی شاعر کا جسنے کبھی دہلی کی صورت نہ دیکھی ہو اس بے تکلفی سے "بیگماتی اردو" کا استعمال کرنا نہ صرف حیرت انگیز بلکہ تعجب خیز بھی ہے۔ قیس نے دلی کے محاوروں کے ساتھ ساتھ دکن کے زنانی محاورے بھی استعمال کئے ہیں، اور اس لطف کے ساتھ کہ دکنیت کا شبہ تک نہیں ہوتا۔

انتخابِ کلامِ قیس

تونے چڑیا وہ بنائی ہے کہ لیں لال اٹھو
تیرے ہاتھوں کے میں قربان گئی مغلانی

اتنے کیوں موتی لگائی اری نادان دوا
جھک گئے بوجھ سے موتی کے میرے کان دوا
ٹھیک ہیں سونڈ ہی تو اس کرتی کو لیکن اتنا
تنگ ہوتا ہی گلے میں سے گریبان دوا

چنپا ٹکا تھا جس کے گریباں کے اوپر
کرتی وہ میری کیا ہوئی بیتائی جھیلا

لاڈ بازار[1] کو جاتی ہے تو صدقے تیرے
بھول مت یاد سے لے آئیو میری ڈوری انا

بوا لا دے ایسا طرحدار جوتا
جہلا بورکا کوئی دھواں دھار جوتا

کاہیکو پہنوں گی باجی میں تمہاری انگیا
ایک سے ایک میری پاس ہے بہاری انگیا
جس کی چڑیا کا وہ عالم تھا کہ اب اڑ جائے
میں نے باجی سے جو کل شرط میں لی ری انگیا
ٹوکیاں ڈھیلی ہیں اور تنگ سیا ڈوری دوا
اس طرح کوئی بھی سیتا ہے گنواری انگیا

کیا بنا لائی ہے سنہیارن خمانی چوڑیاں
میں نے پہنونگی کبھی یہ آسمانی چوڑیاں
تنگ گئیں دو چوڑیاں تو بند گئیں ٹھنی ہے کیا
پہنتے چل ہاتھ ڈھیلا چھو جاتی چوڑیاں

---

[1] حیدرآباد کے ایک بازار کا نام ہے۔ (تمکین)

قیس پر کرتے تھے فرمائش کہ لیں جوڑا اپنا　　سبز سالو، ورنہ دھانی، آسمانی چوڑیاں
آگے پیچھے عاشق و معشوق کی گو تھیں لگا　　دھار پہ چھلا دھار کے کل اس میں ڈال آئی چوڑیاں

ایکلے رکھی ہوں دوگانا وہ طرحدار اصیل　　نوجواں تیلی سی گوری سی دلہن ہو دلدار اصیل
اٹھنا مل کے تہا آتی ہے تو تجھ بن سڑی　　کتنی گندی ہے ہماری دور ہو مردار اصیل

بخشنے والا ہے صاحب میرا او بد والا　　یہ تو کہتی نہیں میں نیک ہوں بدکار ہوں

میں کیا کرونگی لیکے تیری ہلکی اوڑھنی　　لادے دوادہ مجھکو جھلا جھل کی اوڑھنی
چھپے کا اس پہ کام بنا کیا خوب اُجڑی　　کوٹھے پہ جو لٹکتی تھی وہ کل کی اوڑھنی
شعلہ سا ایک آنکھ میں میرے چمک گیا　　سر پر سے اُنکے وہ جو کھیں ڈھلکی اوڑھنی

مجھ کو رخصت دے اب میرے گھر سے　　لے گئے بنیں اصیل آئی ہے

کل پاؤں میرے دابنے جو آئی جمیلا　　نیند آ گئی تلوؤں کو جو سہلائی جمیلا

بی چاندنی سے کہدو ہو فرش کی تیاری　　آتی ہے میرے گھر کو مہمان میری کوکا

ایسا نہو محل میں کوئی دیکھ لے تجھے　　باندی کنارے بیٹھ کے ہولا ازاربند

راحت افزا ہے یہ کھیو اجی گلشن بو بو — ہاتھ دھونے کو میرے لائیو بے سن بو بو
تکیہ جوں چوں کا تو زانو کے تلے دھر دینا — بیٹھے مسند پہ جب آ کر میری سمدھن بو بو

قطعہ

دوگانا تو کیا ہے کسو کے بھی آ گئے — اری قیس کا کر نہ مذکور یا ندی
قسم ہے علی جی کی کہتی ہوں تجھ سے — کرونگی تیری ہڈیاں چور باندی

دیگر

ہاتھ سے تیرے آئے دوانا کیں جان آئی میری — ایک دن ایسا کراری زہر تو بھی کھلا مجھے
کاہیکو طعنے[1] جیتے تو دیتی ہے اٹھتے بیٹھتے — جینے سے جی تنگ ہے آتی نہیں قضا مجھے

ٹکڑے ہوئی جاتی ہے زبان ہاری[2] طلب کے — رانڈ کے میرے پان بھی منگوا لئی جمیلا

نل[3] بھر گئے پیٹ میں ہے درد ہی بیٹھا — مت چھیڑ میں ہوں ہائے حیران دوگانا

تیری گود میں تو میں کھیلی ہوئی ہوں — میری بات کا مت برا مان آ جا !
اری قیس کیسی تو جاتی ہو گھر کو — میرے ساتھ چل تو بھی مہمان آ جا !
غرض دیکھ کر تو بھی خوش ہو گی لیکن — عجب طور کا ہے وہ انسان آ جا !

---

[1] طعن تشنیع [2] عادت [3] نیلے (تمکین)

ہوتی ہوں تیرے پر سے قربان میری گوگا   منہ پر تو دوشالے کو مت تان میری گوگا

رسوائی کا سٹ اب یہ جو کھل جائے تو اچھا   باندی تو میرے گھر سے نکل جائے تو اچھا
ہیں آئی تھی میلے میں دوگانا سے خفا ہو   جی دو گھڑی ان سے جو بہل جائے تو اچھا
اتنا تجھے کیا ہو گیا چھاتی پہ لیے گھڑا   اس بھیڑ میں چھاتی کوئی مل جائے تو اچھا

تم ہو یا کل چمکتی ہے بجلی   بیٹھو پردے میں جاؤ باجی جان!

دیکھ اتنا تجھے دیتی ہوں میں رنگی گنٹھو   چوک جاتی ہو میرے آگے لاری گالیاں

کہہ دو یہ دوگانا سے میں شام کو آئی ہو   کل بی بی بلّے[۱] کی درگاہ کو جاتی ہوں

مر پیر تو جوانی کے ہو اب چھوڑ زناخی!   پھرتی نہیں آنکھوں میں تیری چوڑ زناخی!

کیا جانئے کیا ہوگی جوانی میری آفت   گوگا بھی میری ایک ہے ہو لا رہی گویا

کیا دھواں دھار ہے پرکالۂ آتش آفت   آگ لینے جو وہ آئی تھی پڑوسن لو تو

---

۱ نہ جانے یہ بی بی بلّے کون تھے آج تک ہم نے کبھی نام نہیں سنا (رنگین)

رات مجھے جگا جگا تونے کیا ہے رت جگا ۔ اب بھی نہیں ہے جی بھرا سونے دو مت جگا مجھے

رات کوٹھے پہ تیری دیکھ لی چوری انّا ۔ کالی اوڑھنی پڑی ہی نیچے تھی گوری انّا!

لوگ سن لینگے ٹھیر جا کم بخت ! بولتی میری چار پائی ہے

بعض جگہ کھلی ہوئی باتیں بھی کہی ہیں جو بیہودگی کی حد تک پہنچ گئی ہیں نمونتاً بعض مصرعے نقل کیئے جاتے ہیں۔

خالی جو اڑاتی ہے بلبل تو لڑاتی ہے لب
کل کا تو ہے دلن باقی پہ سوکن نہالی ہے
بن گیا پھول مست غنچۂ سوسن لبو لب

دیوان قیس قلمی کتب خانۂ آصفیہ ۱۶۹ اور ۴۵۶ و دواوین اردو
تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۴۵۴ ۔ تذکرہ شعراء دکن جلد دوم صفحہ ۱۴۱
دکن میں اردو صفحہ ۱۲۹ ۔
رسالۂ نگار بابتہ ماہ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۶۵ تا ۷۱ ۔
رسالۂ شاعر امروہہ بابتہ مارچ ۱۹۲۹ء ۔

قرم

ریختی گو شاعر تھے مگر حال معلوم نہ ہو سکا۔

کس نگوڑی کلموہی نے بد دعا دی تھی اسے
شہر کی گلیوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں

کیا نحوست چھا گئی ہے اب زمانے پر موا
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں ایسا کوئی مردوا ملتا نہیں

بیٹھ کر سوئے بہاؤ یا کہو مجھ کو برا
مجھ کو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

ڈولی کے پیچھے دیتے پھرینگے میاں ضرور
کیا گھورتے ہو تم مجھے آنکھیں نکال کے

مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں موا
اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹا سنبھال کے

مردوے روز بھی تو یونہی نہیں آتے ہو جیسے
بیگم تمہیں بتاؤں کہ میں تہا کیا کروں

پھیرا رہے میری جو مرے گھر آئے وہ
طوطے چشم میں مردوے بچنا کیا کروں

ذرا "تہا" اور "چشم" کے تلفظ پر غور کیجیے بالکل اسی طرح باندھا ہے جس طرح عورتیں بولتی ہیں۔

(تحفہ گل ص ۳۴۵ و ص ۳۴۶)

لائق

نواب بدرالدین خاں بہادر نام امیر جنگ امیر الدولہ خطاب لائق تخلص، شہامت جنگ امیر الدولہ ابن محمد طاہر خاں شہامت جنگ (اول) کے بیٹے تھے۔ آپ کے والد نواب امیر الدولہ بہادر ارسطو جاہ کے زمانہ میں خانسامانی اور خدمت جواہر خانہ سے سرفراز تھے آخر میں موسیٰ شاہ قادری کے مرید ہو کر تارکِ لباس اور فقیر ہو گئے۔

نواب بدرالدین خاں بہادر لائق اپنے والد کے بعد موروثی خدمت اور نواب سکندر جاہ بہادر کی مصاحبت سے سرفراز ہوئے کوکشاپلی، طاہر خاں پیٹھ، وغیرہ جاگیریں پائیں، منصب پنجہزاری تین ہزار سوار علم نقارہ، نوبت، پالکی جھالردار، سے سرفراز تھے، آپ کی سلیقہ شعاری مشہور ہے، شادیوں لنگر وغیرہ کے جلوس کی ترتیب وغیرہ میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ نہایت شریف المزاج نفیس الطبع خوش اختلاط، پر اخلاق، قدردانِ کمال تھے، نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد میں سنہ ۱۸۰۳ء ۱۲۱۸ھ سے سنہ ۱۸۲۹ء ۱۲۴۵ھ تک زندہ تھے سنہ ولادت ہی معلوم ہو سکا اور نہ سنہ وفات کا پتہ چلا"

کتب خانہ آصفیہ میں آپ کے دو قلمی دواوین موجود ہیں جن میں سے ایک کے آخر میں ایک ریختی بھی لکھی ہوئی ہے۔ زبان صاف اور

ـشت ہے :-

پاس میرے تو کسی ڈھب سے اسے لا ری دوا
میں بلائیں تیری لیتی ہوں اری جا ری دوا

ہائے ہائے کیا پیٹا سب مجھے کھایا تو نے
وہ نہ مانے تو مجھے چوری سے لے جا ری دوا

وہ نہ آئے تو قسم دیجیو میرے سر کی
اس کو مجھ پاس کسی ڈھب سے بنا لا ری دوا

اس موئے مالی پیلے پر تو دو ہتڑ ماروں
یا کوئی اور جو تدبیر تو بتلا ری دوا

سینے سے سینہ ملا اس کے تو بوسے لے لوں
پاؤں میں پاؤں ملا عیش کروں پیاری دوا

کیا کہا کس نے کہا تیرے سے لائق نے سب
تجھ کو لوھو کی قسم کہہ دے نہ شرما ری دوا

(دیوان لائق موجودہ کتب خانۂ آصفیہ ص ۴۸۵، ۴۹۰)
(تاریخ گلزار آصفیہ ص ۱۹۵، ۱۹۶)
(دکن میں اردو ص ۱۳۶، ۱۳۷)

مجید

عبدالمجید نام تھا ماڈرن تھیٹریکل کمپنی ناگپور کے چیف ایکٹر اور ریختی کے شاعر تھے۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لپکا ہی ملا شوخ
کیا تجھ کو بنائے گا نگوڑا وہ ہوا شوخ

آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے
کل وہ انہیں باتوں کی بدولت تو بنا شوخ

ان دونوں میں رہتی ہے ہمیشہ سے لڑائی
کچھ منچلی لڑکی شوخ ہیں کچھ چھوٹی کو ہوا شوخ

کیسے ملے بتائی جو چھپے پردوں کی ملاقات
کہتا تھا نہیں سر آنکھوں پہ مجھے تجھ کو تو ہوا شوخ

بل سارے نکالونگی میں تکلے کی طرح سے
پاپوش سے ہی مارونگی جو بیٹھے وہ چڑھا شوخ

ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا بیٹھتی ہے نرگس
ہی ہی نہیں آئی ہے ذرا تجھ کو حیا شوخ

الغرض جو مجید آئے تو تو بات نہ کرنا
وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے سوا شوخ

(خندۂ گل ص ۱۹۲)

مخلوق

مولوی عبدالباری آسی الدنی نے اپنے تذکرۂ خندۂ گل میں "تذکرۂ خوش معرکہ" پٹنہ لائبریری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میر احسان علی نام تھا۔ نواب تقی محمد خاں ترقی کے پاس قصہ گوئی پر ملازم تھے۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی اور میر انیس کے چچا تھے۔ آسی صاحب نے تذکرۂ انیس مولفۂ میر فدا علی خنجر سے ریختی کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

لائے دوا دیکھو اب ہوگا نیا شر پیدا ۔۔۔ لو زناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس موئیوں پہ کیوں نہیں ہوتا ۔۔۔ ہیں مرگئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

(خندۂ گل ص ۳۴۵)

نکتہ چیں

کوئی نامہ نگار تھے جو ہیچ گئے ظرافت کے ساتھ ساتھ ریختی کا بھی شوق تھا۔

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا ۔۔۔ پر بندھا مہر ایک پائی کا

خدا کی مہربانی قبر میری ہی سہیلی ہے ۔۔۔ گھٹا چھائی ہے رحمت کی لو اٹھو بیلی ہے

پالی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی ۔۔۔ مشہور یہ غلط ہے کہ قضا ٹلی گئی

(خندۂ گل ص ۳۴۳ تا ۳۴۴)

نازنین

"غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ جوان خوش اسلوب"
"رستم زمان بزور قوت سہراب طاقت کا الخ" (گلستان سخن صابر ص ۴۴۴)

دلّی کے رہنے والے تھے ذوق سے تلمذ تھا ۱۲۷۱ھ میں زندہ تھے بقول نساخ "نجات النساء صاحب سے اچھی ریختی کہتے تھے" ذوق کی وفات پر ریختی میں قطعہ تاریخ کہی ہے۔

نہیں نازنیں رنج کرتی کسی کا — گیا جب سے یار اور حسرت ہے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے — اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب سوا لونڈیوں کو رُلایا — کہ اس پردے میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت — غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اس کی تاریخ اور یہ ہوا غم — میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

نازنیں اتنا کبھی ہرجائی پن — یہ تمہارے آگیا کیا دھیان میں
روز ایک دو گڑے کی ہیں مہمانیاں — روز رہتی ہو اسی سامان میں

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا — بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور بیٹا نہا — ہوا بیٹھا ہی کیا خوش خوش کہ دن آیا اتفاقا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہی کام اپنے کام سے ‏ ‏ ‏ اے نگوڑے آدمی بس تو تو جیوڑا ہو گیا

سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا ‏ ‏ ‏ عورت! انہیں باتوں سے تیرا گھر نہیں بچتا

میری نماز کھوئی اس مردوے نے آکر ‏ ‏ ‏ اٹھی تھی اے دوا میں کمبخت ابھی نہا کر

اے زناخی مردوا ہے بدگماں ‏ ‏ ‏ تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

رات بھر سے وہی بات اور وہی چوما چاٹی ‏ ‏ ‏ اے دوا ایسے بدیدے سی بڑا کام مجھے

فوّارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے ‏ ‏ ‏ تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے

دس گھر تو چھٹ چکے ہیں کہاں تک خصم کروں ‏ ‏ ‏ کس کا بٹھائے دیکھئے اب آسماں مجھے

مجھے کہتے ہیں چھالی تو نے تاکا چھوٹے دیور کو ‏ ‏ ‏ نہیں ڈرنے کی میں بھی ہاں نہیں تاکا تو تاکا

اگر اے نازنیں تو دبلی پتلی نکاسی سی ہے ‏ ‏ ‏ چھریرا سا بدن نازک ہے کیا تیرے دولہا کا

کیا جانئے کیا کیسیوں میں شہد گھلا ہے ‏ ‏ ‏ گھر والیوں سے تو خوش کوئی شوہر نہیں ہوتا

پڑی نہ ہو کہیں اس بد نظر کی تجھ پہ نگاہ　　ہوا مجھے تو ترا دھیان بار بار آیا

یہ کل بگڑ گئی ہے رہتا نہیں حمل پھر　　بچپنائی میں تو آیا پہلا حمل گرا کر

یار کرنے کی عبث مجھ پہ ہی تہمت باجی　　اس زمانے میں کسی کا بھی کوئی یار نہیں

تو سنڈا ہے اور میں نازنیں کیونکر بنے صحبت　　موئی او جڑے نگوڑے تیکے چل دور ہو یاں سے

دن چڑھے ہے پر ابھی دبوچے ہی پڑا رہتا ہے　　مفت نظروں میں جٹھانی کے کیا خوار مجھے

ہمسائی آئی تھی ہے گھر میں بنی ٹھنی　　انکو تو دیکھو رات اسی پر پھسل پڑے

ہو کر لہولہان تو کچھ ڈر گئی تھی پر　　جو زخم تھے ہوا وہی دل کی دوا ہوئے

(گلستان سخن صابر ص۴۴۴ تا ۴۴۸)

(قطعۂ منتخب ص۶۴ و ۶۵)

(حدیث قدسی ص۹۹)

(سخن شعرا ص۴۹۰، ۴۹۱)

(طبقات الشعرا ص۳۳۳)

مخمس بر غزل قدسی

لونڈی سو جان سے قربان گئی تجھ پہ نبی
اچھی مجھ نہیں بجھا دیجو مری تشنہ لبی
تو ہے بندی کا وسیلہ دم حاجت طلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

عورتیں جمع تھیں یک جا پہ سن اشتہا ہم
وصف یوسف وہ لگیں کرنے زلیخا سے بہم
دیکھ تصویر تیری بولی یہ بی بی مریم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

کہا یا آدم نے جو گیہوں ہوا اللہ خفا
بخشوا لی تیرے صدقے گئی تو ہی تھا
دادی حوا نے بلائیں تیری لیکر یہ کہا
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

اوجلا پھل دے کہ مرا باغ جہاں میں ہے نام
اور گل حسن سے شوہر کا معطر ہو مشام
پھولتی پھلتی ہمیشہ ہو رہا ہے عرش مقام
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

بنا اس نگوڑی کو نہ مجھے عقل ہے کچھ اور نہ شعور
نہ میں ہوں رابعہ بصری نہیں ہوں بی بی نور
پر یہ سمجھی ہوں کہ ہے عزت تیری رب کو منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

جو نگوڑی کہوں راہ سے میری برگشت
خاک از آئینگی ہوئی حشر تلک دشت بدشت
واسطے تیرے ہی میں واری ہیں جنت سے بہشت
شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت

بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

گو کہ ہم جنس کو اک نوع کی نسبت ہے بہم — پر میاں یہ جو میں کہوں تو ہوں بات میں کم
تیرا کا مادہ سے بڑا رتبہ ہے اے شاہِ اُمم — نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

در دکھیا سے جو بھی نازنین کو بیتابی — سینہ پہ آنچل وہ ڈوپٹہ کا دھری روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اسے کچھ نہ بنی — بیدلی است عجیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

(حدیث قدسی ص ۹۹)

نازک

مؤلفِ تذکرہ خندۂ گل کے ملاقاتی ہیں ریختی کا شوق ہے لکھنؤ میں مقیم ہیں نام ظاہر نہیں کرنے دیتے ۔

خدا بچائے بوا مردوں کے دیدوں سے　　کہ تاک جھانک لگاتے ہیں نت دیدے سے

کوساجی کو تو دیدے ہی نکلوا لونگی　　سات لالوں میں بھی ایک ہا ہے بنّو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی　　طاق بھر نے جو اکیلی چلی جائے کوئی
انگلیاں پھونک کے آنکھوں میں جگایا شب بھر　　نوج نرگس کو بلا ساتھ سلائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنّو　　پھر بھی لاکھوں مجھے الزام لگاتی ہیں

بیٹوں والی پوتوں والی　　ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی
دانتوں پہ مسی آنکھوں میں سرما　　ماتھے پہ افشاں ہونٹوں پہ لالی
میں نے سب کو سمجھا ہے
سب ہیں میری دیکھی بھالی

(خندۂ گل ص ۲۱۴)

نسبت

میر احمد علی نام لکھنؤ کے مشہور ریختی گو تھے جان صاحب کے معاصر اور مخلص تھے جان صاحب نے اپنے دیوان میں بعض جگہ نسبت کا ذکر بھی کیا ہے۔ صاحبِ دیوان تھے۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ
بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

بیٹھے میں ہر کسی کے پاؤں کیوں دیتی ہو اے خانم! — بھلا ہے شوق اے بی بی! تمہیں جھگڑا چکانے کا

شمع جلواؤں گی من چ رات میں تیری ہی لڈو نذری — جو بھلا چاہتی ہے کر میرا زیور پیدا

چھاتیاں کھولی جو در آتی چلی آتی ہو — اجی ہٹو ہی ہے بیٹھا نہیں شرماتی ہو!

کیلے تو دیکھ کر میرا جی کلبلا اٹھا — اے کاش کہ نہ آتی میں اس آن باغ میں

(سخن شعرائے نساخ صـ ۵۱۸۔ تذکرۂ گل صـ ۲۴۴، ۲۴۶)

ہاشمی

بیا میراں نام، سید شاہ ہاشم کی پیروی یا مریدی کی وجہ ہاشمی تخلص کرنے لگے، بیجاپور وطن تھا، دیدۂ ظاہری بند تھے مگر لمحات عمر نہایت طویل ہوئی علی عادل شاہ کے درباری شاعر ہونے کا افتخار حاصل تھا سنہ ۱۶۸۸ء میں یوسف زلیخا لکھی اور سنہ ۱۶۹۷ء میں انتقال کیا۔ مثنوی یوسف زلیخا کے علاوہ

۱۔ احسن القصص (ترجمۂ روضۃ الشہدا) ۔

۲۔ غزل کا دیوان ۔

۳۔ ریختی کا دیوان، (اس کا قلمی نسخہ پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی کے پاس موجود ہے)

۴۔ مرثیے (سنا جاتا ہے کہ ہاشمی نے بہت سے مرثیے کہے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اب تک دستیاب نہیں ہوئے ۔)

(اردو شہ پارے جلد اول ص۷۱ و۷۲)

"عربستان میں مرد عاشق زن ہے اکثر اشعار مرد کی زبان میں موزوں"
"کیئے جاتے ہیں، ایران میں عاشق مرد مرد ہے، ہندوستان میں عورت"
"مرد کی عاشق ہے، چنانچہ ہندی اشعار یعنے کبت دوہرہ و دیگر تصانیف"
"کے پڑھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے طرفہ یہ کہ قرآن مجید میں عورت"
"کی محبت مرد سے ذکر کی گئی ہے یعنے قصۂ یوسف زلیخا، چنانچہ ہاشم (ہاشمی)"
"بھی اسی طرح شعر کہا کرتا ہے۔ یعنے عورت کی طرف سے اظہار عشق"

"کرتا ہے۔"

(طبقات الشعراء ہند)

اور حالات کے لئے دیکھو: ۱- چمنستان شعراء قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔

۲- رسالہ تجلی حیدرآباد دکن بابت اکتوبر ۱۹۲۷ء ص ۶۰۔

۳- تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم ص ۱۲۰۲

۴- گل رعنا ——— ص ۲۷۔

۵- دکن میں اردو ——— ص ۴۴ تا ۴۶۔

اردوئے قدیم ——— ص ۷۹ تا ۸۱

انتخاب ریختی دیوان ہاشمی

"دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ ریختی"
"کی ابتدا شمال ہی میں کی گئی ہاشمی کی ریختیاں اگرچہ اس نوع کی شاعری"
"کی ابتدائی کوششوں سے ہے لیکن اسقدر اعلیٰ درجہ کی ہیں کہ کوئی"
"اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی"
"زبان محفوظ کر لی گئی ہے آخری غزل شاید نسائی فطرت کی بہترین"
"ترجمان ہے"

(اردو شہ پارے جلد اول صفحہ ۲۵۹ و صفحہ ۲۶)

بہوت روز ہوں سوں جیتا ہیں ملے دہن کس کنارے میں
کہا کیا جٹ لگالے کی بوری ہے جٹ تمہارے میں

چنچل توں ہاتھ پکڑی سو ہوسے ہے بخت تجھ غالب
عجب جھاکاٹ دستا ہے بہے جس کے ستارے میں

اُدھر من گول گنڈی میں گئی ہو یاد ہیں پاتال
ہمیں تم مل کو بیٹھے تھے سکی جبدل دولارے میں

او بارا گھر میں ہوتا گر پلنگ لیا لمبار لیا ناسو
انگن سے تب ملوں آکر تمہیں جب سو بارے میں

اے دوہوں دل بڑا کر توں پوا جڑیا چاندنی چندنا
کہ میں تحقیق آتی ہوں تجھے ملنے اندھارے میں

سکھی پھر کہی سنے گیاں ہور کہی گیا ہاشمی سجکوں
کراوے شوخ کیسی خون رکھی ہو جیو نظارے ہیں

لالن کو جا سہیلی میرا سلام بولو! — یو عرض ہے ہمارا دل کا تمام بولو!
سچ مان اس سنگات تجہ نی بچھڑ تو رہی ہو — ان پانی سب تجی ہوں سونا حرام بولو!
فاقہ درس کا پیارے سینا اوپر پڑیا ہے — بھوکیاں کوں دے صوالی درس طعام بولو!
مجھ من نگر کوں تا لعبن پریت نے آ کیا ہے — پھرتی ہوں ڈھونڈن سیاں نہیں مجھ مقام بولو!
لسدن زبان میری جا گا گیا ہے آکر — شہد و شکر سوں میٹھا تیرا اچ نام بولو!
پھرتا سو آس تین یو تجھ سوں چھپے دیکھ بچھڑا — ہو بہر یاں غم سو روتا اچ شام بولو!
عرفاں کیاں کتاباں پڑنا سکھی تو سیتے — جب تے لگی ہوں پڑنے تیرا کلام بولو!
کیسی پریت پیاری جو دن تہیاں رہی ہو — کہتی ہوں دن رہے بیا اب خاص عام بولو!
ان سوں کرو وفائی اب بے وفا کو آتا — لائق نہیں تمہارا یو کوں کام بولو!

سچ بول ہاشمی توں عارف سمجھ کے پوچھے
لالن کو ان ملیں گے سو مجھ منگا کام بولو!

جے پڑے ہیں کی چھوڑ دو دیکھو ہونک ماروں گی
خدا کی سوں میں ہنستی ہوں تمہی تو کو پکاروں گی
جتے جھوٹ سوٹ باتاں کر بولا کر لیائے ہیں تمنا
میری بیزار ہے تے لیے سو اس کشتی کو واروں گی
اسے کشتی میں تو سمجھی سنجھے کی آ کو وارنی ہیں

سنگی کرتی ہوں چھوٹی بہا پنا بستاں سنواروں گی
اونے ہٹکگئی تو میں یوں کہی ایتا تو نلج ملسوں میں
صباح ملکر سہیلیاں کن یو باتاں سب بچاروں گی
تٹنا ہوئے ہانک ہارے پراتا اوس تجہہ جیب رہی ہوں
صباح کٹنی کا سر سونڈکر سیر ا یو دندساروں گی
او جٹر گئے کیا ظلم کرتا پڑوسی کوئی دیکھیں گے
منجے ٹک چھوڑ دے بارے جو پردا اچا اتاروں گی
نکل جا ہاتھی توں تو خدا ستا رہے میرا
اگرچہ کوئی دیکھیں تو میں سوگند کہا جیاروں گی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بہار بیٹھوں گی
بہانا کرکے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی
او تو یاں آو کہیں گے تو کہوں گی کام کرتی ہوں
اٹھلتی اور ٹہلتی جب گھڑی دو چار بیٹھوں گی
نزیک ہیں آن کے جانے کو خوشی سوں شاد ہو لیں
ولے لوگاں میں دکھلانے کوں ہو بیزار بیٹھوں گی
پکڑ کر ہات پردے میں لیجا و بینگے تو میں کوں گی
گھونگھٹ میں لک چھپا کر کر مٹ میں ترکا مار بیٹھوں گی
بلایا جیو کا لے جیو میں پڑوں گی پاؤں دلسوں میں

دلے ظاہر میں دکھلانے کوں ہو اغیار بیٹھوں گی
کروں گی ظاہرا چپ میں غصہ ہور ہاں ہٹ لیکن
سجن پر تے جیو اپنا یہ جیو میں وار بیٹھوں گی
سولا دیں گے تو ناسو سوا اُٹھو تنگی دانتے یوں کہکر
جیو خوں وا خوشی میری ہیں ہو ہوشیار بیٹھوں گی
سجن کوں عیب کتی ہوں میں دلے میں دل میں گھٹ کی ہو
نزیک ہو ہاشمی سوں ملکو آٹوں پہار بیٹھوں گی

رضا گر مجھ کو دیتی ہو کروں گی گھر میں جا دارو
اگر مجھ ہو سنگی فرصت صبح پھر آؤں گی چھوڑ دو
اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہیگا جی
مجھے بدنام کرتے ہو کہیں نہیں جاؤں گی چھوڑ دو

فرہنگ

زنانی محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کی جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی صرف بیگماتی مصطلحات کو بھی ترتیب دیدے تو ایک خاصا ذخیرہ ہوگا مگر سردست ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ اس تذکرے میں بعض اشعار میں جو محاورے اور الفاظ خاص خاص آگئے ہیں ان کی ایک مختصر فرہنگ تیار کی جاتی ہے تاکہ نہ سمجھنے والے اس سے مدد لے سکیں

بعض اشعار میں بیٹھک، پریوں کا طبق کونڈا، وغیرہ اور بعض شیطانوں کے نام آگئے ہیں جن کی تفصیل وقت ضائع کرنا ہے اس لئے ہمیں مختصر حال لکھ دیا جاتا ہے۔

بیٹھک دینا کہتے ہیں پریوں وغیرہ کی حاضرات کرنے کو عورتیں ایجز مانے ہوئے یا فرض کئے ہوئے دل یا شیطان یا پری کی سواری فرض کرکے جمعرات کے دن ان میں سے کسی ایک کو اپنے سر پر بلاتی ہیں جس عورت کے سر پر شیطان یا پری آئے اس کے سامنے سب عورتیں اپنی اپنی حاجتیں منتیں مرادیں پیش کرتی ہیں۔ وہ عورت سر ہلا ہلا کر سائلہ کا جواب دیتی

اور سائلہ جواب سنکر نذر کا خرچ اٹھاتی اور مقدور موافق خدمت بجالاتی ہے
اس بیٹھک کے واسطے بڑے سامان کئے جاتے ہیں تکلف فرش بچھایا جاتا ہے
مکان خوشبو سے بسایا جاتا ہے۔ ڈومنیاں گاتی ہیں جس عورت کے
سر پر کوئی آتا ہے وہ نہایت بن سنور کر دلہن بنکر چوکی پہ بیٹھتی ہے اور
گانے کی آواز سے مست ہوکر بکنے جھکنے لگتی ہے اور سائلہ کے سوالات
کا من مانے جواب دیتی جاتی ہے۔

یہ رسم ہندوؤں سے بقدرے تصرف لی گئی ہے، نیچ ذات
ہندوؤں میں اب تک عام ہے گو بیٹھک اب متروک ہو گئی ہے
مگر غیر تعلیم یافتہ اور جاہل گھرانوں میں اب بھی ہوتی ہے، بدنصیبی سے
مجھے بھی دو ایک دفعہ اس تماشے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

مفروضہ اولیا یا شیاطین کے نام یہ ہیں۔
(۱) شیخ سدو، (۲) میاں زین خاں، (۳) میاں صدر جہاں،
(۴) پیر مٹیلے، (۵) ننھے میاں، (۶) چہل تن، (۷) میاں شاہ دریا،
(۸) شاہ سکندر۔

اور ساتوں پریاں یہ ہیں۔
(۱) لال پری، (۲) سبز پری، (۳) سیاہ پری، (۴) زرد پری،
(۵) دریا پری، (۶) آسمان پری، (۷) نوری پری،

جاہل عورتیں ان سب کو بہت مانتی ہیں میاں شاہ دریا وغیرہ
اور ساتوں پریوں کے متعلق یہ کہتی ہیں کہ یہ سب بھائی بہن ہیں اور

جنت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتون جنت کی خدمت کرنے کے لیئے بھیجا تھا۔ شاہ دریا اور شاہ سکندر کو نوری شہزادہ بھی کہتے ہیں۔

رنگین نے ایک طویل قصیدہ بھی کہا ہے۔ جس میں ان پریوں اور شیطانوں کے فضائل و مناقب اور عورتوں کے اعتقادات ان کے متعلق دل کھول کر بیان کئے ہیں۔

فرہنگ

الف

آچھا۔ بوڑھی ماما اصیل، دالی وغیرہ قابلِ احترام بوڑھی۔

آتو۔ آتو۔ استانی۔ معلمہ۔

آپا۔ بڑی بہن۔

اندروالا۔ دل۔ جی۔ من۔ جیوڑا۔

انگیا۔ محرم۔ چولی۔ عورتوں کا سینہ بند۔

انّا۔ دودھ پلانے والی۔

اوپروالا۔ خدا۔ چاند۔

اصیل۔ ماما۔ خادمہ۔ روٹی پکانے والی۔

اُبٹنا۔ بیسن کی طرح کا چند ادویہ ملا ہوا آٹا جسے ملکر نہاتے ہیں۔

اترانا۔ گھمنڈ کرنا غرور کرنا۔

اچھی۔ آپس میں خطاب کرتے وقت خوشامد اور پیار سے کہتی ہیں۔

ازاربند۔ ناڑا۔ کمربند۔

ب

بتو۔ کلمۂ تخاطب بمعنی بی بی۔

بُوا بُو۔ بوڑھی کنیز یا بپ کی خواہر وغیرہ

بھابی۔ بھاوج۔ بھائی کی بی بی۔

بے سن - چنے کا آٹا -

بارہ بانی - خالص - کھرا - بے میل -

باجی - بڑی بہن یا کمسن ماں کو کہتی ہیں۔

بازوبند - ایک قسم کا زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے۔

بتیسی - بتیس مصالحہ ڈال کر بنایا ہوا حلوا جو زچگی کے بعد کھاتی ہیں۔

بالیاں - کان کا زیور۔

بوا - کلمۂ مخاطب بمعنی بہن۔

بڑی روٹی - قرآن شریف۔

بچے نے پیر لیا ہے - زچگی کے وقت بچہ ٹیڑھا ہو جائے اور نہ نکلے تو کہتے ہیں۔

باندی - چھوکری - کنیز۔

بجلی - کان کے ایک زیور کا نام ہے۔

بالہلی - بیوقوف - اول جلول - احمق - گاودی۔

پ

پلپلی ٹھیکری - اندام نہانی - ناف کے نیچے کا حصہ۔

پھولام - ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس پر پھول ہوتے ہیں۔

پشت خار - کسی دھات یا ہاتھی دانت کا پنجہ ہوتا جس سے پیٹھ کھجاتے ہیں۔

پنڈریاں - تیس دواؤں کو کوٹ پیس کر لڈو بنا کر جاڑے میں استعمال کرتی ہیں۔

پینس - پالکی ایک قسم کی ڈولی۔

پچھاوے - انگیا یا محرم کی آستینوں کے پائیں کا کپڑا۔

ت

تماش بین - عیاش رنڈی باز۔

تہاجو - وہ مرد جسکے تین شادیاں ہوئی ہوں۔

تیور - نظر - آنکھ -

تیسوں کلام - قرآن شریف - تیسوں

ٹ

ٹسوے گہلانا یا ٹسوے بہانا۔ رونا۔ ڈھونگ کرنا۔

ٹوکیاں۔ کٹوریاں انگیا کا وہ حصہ جس میں چھاتیاں رہتی ہوں۔

ٹنڈیاں کسوانا۔ مشکیں کسوانا۔

ج

جوکھم۔ نقصان۔

جگنو۔ کرم شب تاب، ایک قسم کا زیور۔

جوشن۔ ایک قسم کا زیور۔ تعویذ۔

جھلا جھل۔ بھڑک دار، زرق برق۔

جھلا بور۔ بھڑک دار۔ زرق برق۔

جیٹھانی۔ جیٹھ کی بیوی خاوند کے بڑے بھائی کی بیوی۔

چ

چیلا۔ لکڑی کا تختہ یا ٹکڑا۔

چھتیسی۔ چھتیسا۔ چالاک۔ عیار۔ مکار۔

چولیس اکا سنا۔ زچگی کے وقت بچہ پھیر لے (اڑ جائے) تو دایہ تیل لگا کر پیٹ ملتی اور بچے کو خروج کی طرف رجوع کرتی ہے اسی کو چولیس اکا سنا کہتے ہیں۔

چوڑیاں ٹھنڈی ہونا۔ چوڑیاں ٹوٹنا دکن میں چوڑیاں بڑھنا کہتے ہیں۔

چونڈے پہ کرم کرنا۔ احسان کرنا۔

چمپا کلی۔ گلے کا ایک زیور جس کے دانے گل چمپا کی کلی کے سے ہوتے ہیں۔

چھو چھو۔ دائی کھلائی۔

چڑیا۔ انگیا کا وہ سیون جس سے دو تو کٹوریاں ملی رہتی ہیں۔

چوں چوں کا تکیہ۔ وہ تکیہ جس کے دینے سے چوں چوں کی آواز نکلے۔

چارپائی بولتی ہے۔ چارپائی آواز دیتی ہے۔

ح

حُوش ۔ وحشی ۔ جنگلی

خ

خصم ۔ شوہر ۔ خاوند ۔

خاتونِ قیامت ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔

د

دوگانا ۔ عورتیں آپس میں بادام کھا کر یہ رشتہ جوڑتی ہیں ۔

دُوہاجُو ۔ وہ مرد جس نے دو جورویں کیں ہوں ۔

ددا ۔ کھلائی ۔

دَیّا ۔ دائی ۔

دیدے کا پانی مرنا ۔ بے شرم بے حیا ہونا لحاظ نہ رکھنا ۔

دیور ۔ شوہر کا بھائی (چھوٹا)

دھواں دھار ۔ آفت ۔ غضب ۔ انتہائی شوخ ۔

ڈولی ۔ پردہ دار زنانہ سواری جسے آدمی اُٹھاتے ہیں ۔

ڈُومنی ۔ میراثن ۔ پیشہ ور گانیوالی

ر

رَونّا ۔ وہ ملازم جو محلات میں باہر کے کام کاج کے لئے نوکر ہو ۔

رَت جگا ۔ خوشی میں رات بھر جاگنا شب بیداری ۔

رسّی ۔ عورتیں رات کو سانپ کا نام لینا بدشگونی سمجھتی ہیں ۔ اسی لئے اسول یا رسی کہتی ہیں ۔

رُومال ہونا ۔ رومال ملنا جیسے دوشالا ہونا وغیرہ ۔

روٹی پہ بوٹی رکھ کے کھانا ۔ خلوت صحیح کرنا ۔

رال بہنا ۔ منہ میں پانی بھر آنا ۔

رہتی دنیا ۔ تا قیامِ دنیا ۔

ژ

ژناخی ۔ قلعہ کی عورتیں جب دوسری عورتوں سے رشتہ جوڑتی ہیں تو مختلف نام رکھ لیتی ہیں جیسے دوگانا ۔ ژناخی ۔ الاچی وغیرہ

س

سادہ کار ۔ سنار

ست نجا ۔ سات قسم کے ملے ہوئے اناج ۔

سوت ۔ سوکن ۔

سر ڈھنکنا ۔ ازالۂ بکارت ہونا ۔ کنوارپنا اُتارنا ۔

سمدھن ۔ دولہا دولہن کی مائیں آپس میں ایک دوسری کو سمدھن کہتی ہیں ۔

ش

شاخ نکالنا ۔ جھگڑا ۔ حجت ۔ تکرار پیدا کرنا ۔

ک

کپی ۔ وہ برتن جس میں تیل رکھا جاتا ہو ۔

کوکا ۔ دودھ شریک بھائی یا بہن ۔

کھرنڈ ۔ زخم کا انگور ۔

کھونڈرا ۔ گھونسلہ ۔ آشیانہ ۔

کھٹائی میں ڈال رکھنا ۔ روک رکھنا پڑے رہنے دینا ۔

کسالا ۔ حاملہ ۔ پیٹ سے رہنا یا ہونا ۔

کربلا ۔ وہ جگہ جہاں تعزیے ٹھنڈے کیے جاتے ہیں ۔

گ

گندہ پانی ۔ مادۂ تولید ۔ منی ۔

گھوڑے پر سوار آنا ۔ جلد آکر جلدی جانے کا اتفاق کرنا ۔

گوئیاں ۔ سہیلی ۔ دوست ۔ کلمۂ مخاطبت ۔

گنڈے ۔ پیسے ۔ ریزگاری ۔

ل

لیرے ۔ چیتھڑے ۔ چیندیاں ۔

للو ۔ زبان ۔

لاگو - چاہنے والا ساتھ دینے والا -

لشکر والا - خصم - بادشاہ -

تھرم - دیکھبرا گیا -

سیٹ - وہ آٹا جو باورچی دم کے وقت
دیگ کے منہ پر لگاتے ہیں -

میٹھا برس - آٹھواں سال -

مسوسنا - ضبط کرنا - دابنا

مان - گھمنڈ - غرور - نخوت -

ن

ناک چوٹی میں گرفتار ہونا - لے دے
رہنا - اپنی
عزت بچاۓ رہنا -
محو آرائش ہونا -

نوج - کلمۂ دعا - نعوذ کا بگڑا ہوا ہے یعنی
خدا نخواستہ دور پار -

نک سک سے درست - بے عیب عمدہ -

نٹ کھٹ - عیار مکار - دغا باز - شریر -

ہ

ہلبلی - جلدی -

ہیکل - ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنتے ہیں -

ہوائی دیدہ - شوخ - بے شرم -
بے مروت -

ہزاری روزہ - ماہ رجب کی ستائیسویں
تاریخ کا روزہ جس کا
ثواب ہزار روزوں کے
برابر خیال کیا جاتا ہے -

و

وقت پڑا ہے - مصیبت آئی ہے -

محمد شفیع الدین کاتب (کوہیری)

تذکرۂ خندۂ گل

مولفۂ عبد الباری صاحب آسی الدنی۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ معمولی ضخامت (۵۰۰) صفحات مطبوعہ نگار مشین پریس لکھنؤ اردو کے تقریباً کل ظریف شعراء کا کلام اور حالات بڑی کاوش سے جمع کیے گئے ہیں۔ تذکرہ کیا ہے زعفران زار ہے ہنستے اور ہنستے ہو جائیے۔

قیمت۔ للعہ کلدار

تذکرۂ تبسمِ گل

مولفۂ ڈاکٹر شیخ عظمت الہٰی صاحب سلونوی ایڈیٹر جریدۂ دنیا لکھنؤ مطبوعہ عظمت پریس لکھنؤ لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ عمدہ صفحات (۱۱۲) اس میں (۲۳) ظریف شعراء کے حالات زندگی کلام کے عمدہ نمونے دئے گئے ہیں نہایت ہی عمدہ اور اپنے رنگ کا پہلا تذکرہ ہے۔ پڑھئے اور ہنستے جائیے۔ قیمت۔ عہ کلدار۔

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

دیوانِ جانصاحب

۹۶

دیوانِ رنگین اور انشا

رنگین اور انشا دونوں کی ریختیاں آپ نے تذکرے میں دیکھی ہونگی، ان دونوں کی ریختیوں کے دیوان ایک جگہ نظامی پریس بدایون نے شائع کئے ہیں کتابت و طباعت میں نظامی پریس مخصوص ہے کاغذ بھی ہمیشہ نہایت عمدہ ولایتی چکنا استعمال کیا جاتا ہے۔ شروع میں مصطلحات کی فرہنگ بھی ہے جو رنگین ہی کی بنائی ہوئی ہے اور انہیں کا رنگین دیباچہ بھی ہے۔

قیمت ۔ عہ کلدار

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

ارنسٹ

آسکر وائیلڈ کے مشہور شاہکار "دی امپارٹنس آف بی انگ ارنسٹ" کو ملک کے مشہور ادیب اور ممتاز انشا پرداز مولوی تمکین کاظمی مولوی سعیدی نے نہایت ہی عمدگی سے اردو کا جامہ پہنایا ہے حتی الامکان مصنف کے طرز بیان اور قدرتِ تخیل کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔

ادیب جلیل حضرت سلطان حیدر جوش (علیگ) ادیب شہیر حضرت جوش ملیح آبادی ناظر دارالترجمہ حیدرآباد دکن اور انیس مجتبیٰ صاحب صہبا زبیری مارہروی (علیگ) اور خواجہ مسعود علی صاحب ذوقی بی اے (علیگ) نے اس کتاب پر "پیش لفظ" "تعارف" وغیرہ لکھ کر ترجمہ کو اور اہم بنادیا ہے آسکر وائیلڈ اور تمکین وسعیدی صاحبان کے فوٹو بلاک بھی موجود ہیں

لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ نفیس، پاکٹ سائز قیمت (۸؍)

(ملنے کا پتہ)

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

مطبوعہ شمس الاسلام پریس